

طنزیہ و مزاحیہ کلام

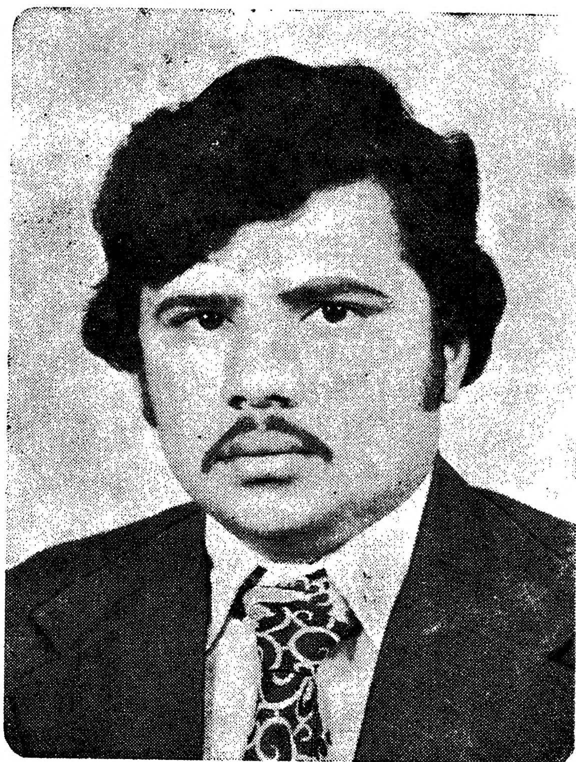
رؤف رحیم ایم اے

اشاعت : پہلی بار
تعداد : ۶۰۰ [چھ سو]
کتابت : محمود سلیم / محمد عبدالرؤف
طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد
سرورق : جناب طالب خوندمیری
مصنف : رؤف رحیم
ناشر : زندہ دلانِ حیدرآباد
سلسلۂ مطبوعات : "ادبستان دکن" بہ یادگار حضرت صفی اورنگ آبادی
اعانت : اردو اکیڈمی آندھرا پردیش ؛ زندہ دلانِ حیدرآباد
سرور ڈنڈا میموریل سوسائٹی ....
قیمت : ۲۰ روپے بیرون ہند سے ۱۰ ریال ۱۰ ڈالر

ملنے کے پتے

- "شگوفہ" پبلیکیشنز ۳۱۔ مجرد گاہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد۔
- حسامی بک ڈپو ۔ مچھلی کمان حیدرآباد۔
- احمد شمس الدین تمکنشر ۲۰ - ۵ - ۵۲۵ شکر گنج حیدرآباد
- دفتر ادبستانِ دکن 〃 〃 〃
- نیشنل بک ڈپو ۔ مچھلی کمان
- "ادبی مرکز" ۔ اعجاز پریس، چھتہ بازار ۔ حیدرآباد ۔ فون نمبر 520773

A. No.
348



رؤف رحیم ایم اے
معتمد "ادبستانِ دکن"
۲۰-۵-۵۲۵ شکر گنج حیدرآباد ۵۰۰۲۶۵

اِنتساب

والدہ ماجدہ محترمہ ماجدۃ النساء بیگم زوجۂ الحاج محمد شمس الدین تاباںؒ مرحوم

کے نام

جن کی بے لوث محبت، بے پناہ دعاؤں کے باعث اس دنیائے ادب میں گروپ بندیوں کے باوجود بھی قدم جمائے ہوئے ہوں

رؤف رحیم

انتساب ۲ شعرائے زندہ دلان کے نام

شعراء کی دُعا اپنی زبانی (معذرت کے ساتھ)

بال اُگنے کی مجھے کوئی دوا دے یارب
سر ہے چٹان اُسے کھیت بنادے یارب
جناب صبغت اللہ بمباط

چھپ گیا ہے مرا دیوان بکادے یارب
ہوں ردّی کے سہی کچھ تو دلادے یارب
جناب رشید عبدالسمیع جلیل

میرے اشعار کا قد بھی ہو مری طرح بلند
یا مرے قد کو کسی طرح گھٹا دے یارب
جناب حمایت اللہ

میں ضعیفی میں بھی پی پار کیا کرتا ہوں
نوجوانوں میں مرا نام لکھا دے یارب
جناب اسمٰعیل ظریف

جھریاں رُخ پہ بڑھاپے کی نہ ظاہر ہوں کبھی
کالے بالوں میں مری عمر چھپادے یارب
جناب طالب خوندمیری
،، اشرف خوندمیری

شاعری چال چلن میں ہے جھلک مغرب کی
ہوں میں ہندی مجھے انگریز بنادے یارب
جناب مصطفےٰ علی بیگ

میرے اشعار میں ہیں طنز کے نشتر بے شک
زہر ان پر تو ہنسی کا بھی چڑھادے یارب
جناب احمد سُلطان

کھوکھلا مجھ کو بنایا ہے جو بمبو کی طرح
میرے شعروں کو بھی پبلک میں گھمادے یارب
جناب معین امر بمبو

میں ترنم سے گلا پھاڑ رہا ہوں کب سے
اب کرم کر مجھے قوال بنادے یارب
جناب اَن پڑھ بھونگیری

فہرست

سلسلہ نمبر	مصرعہ	صفحہ نمبر

سارے نقادرہِ شعر میں دیوار بنے
اپنی تقدیر میں افلاس تھا فنکار بنے

مصنف کی ادبی حماقتیں

- "بساطِ دل" سنجیدہ کلام کا مجموعہ شائع شُدہ ۱۹۸۷ء
- "زنجیر و زنار" مرتبہ رؤف رحیم [مجموعۂ کلام حضرت شمس الدین تاباں] ۱۹۷۸ء
- "گلزارِ صفی" مرتبہ رؤف رحیم [انتخاب کلام حضرت صفی اورنگ آبادی] ۱۹۸۷ء
- "دِل کے رشتے"۔ شخصیات پر مضامین [زیرِ اشاعت]
- "ترکش"۔ مزاحیہ مضامین [زیرِ اشاعت]
- "نشاطِ الم"۔ سنجیدہ کلام کا مجموعہ [زیرِ اشاعت]
- بے نام۔ افسانے اور ڈرامے [زیرِ اشاعت]

رؤف رحیم — چند تاثرات

مجتبیٰ حسین دہلی

رؤف رحیم کا مزاحیہ کلام اور اُن کے مزاحیہ مضامین اکثر پڑھتا رہا ہوں۔ یوں بھی حیدرآباد سے جب کوئی مزاح نگار اُبھرتا ہے تو میں اسے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتا ہوں کیوں کہ حیدرآباد کی شناخت اب دیگر باتوں کے علاوہ اس کے مزاح نگاروں سے بھی ہونے لگی ہے۔ پچھلے بیس برسوں میں حیدرآباد نے بہت سے مزاح نگار پیدا کئے ہیں بعض نے تھوڑا بہت لکھ کر خاموشی اختیار کر لی اور بعض بڑی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس میدان میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ رؤف رحیم کا شمار مزاح نگاروں کے موخر الذکر زمرہ میں ہوتا ہے۔ رؤف رحیم کے لیے مزاح نگاری ہنسی مذاق کی چیز نہیں بلکہ ایک مشن کی حیثیت رکھتی ہے۔ مزاح نگاری کو جس طرح اُنھوں نے اپنایا ہے اور جس طرح انھوں نے اپنے آپ کو اس میدان میں مشغول و مصروف کیا ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ مزاح نگاری کے تئیں ایک سچا اور مخلصانہ جذبہ رکھتے ہیں۔ مزاح نگاری ان کے لیے ذریعہ عزت و شہرت نہیں بلکہ ایک طرزِ حیات بھی ہے۔

رؤف رحیم سے میرے تین رشتے بنتے ہیں۔ اول تو یہ کہ وہ مزاح نگار ہیں دوسرے یہ کہ وہ میرے عزیز ترین دوست محمود الحسن خاں صوفی کے دوستوں میں ہیں تیسرے یہ کہ وہ حیدرآباد کے مشہور و معروف شاعر اور میرے بزرگ دوست شمس الدین تاباں [جن کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے] کے فرزند ہیں۔ تاباں صاحب سے میری پرانی یاد اللہ تھی صفی اورنگ آبادی کے ممتاز شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مرحوم کی شخصیت نفاست، شائستگی وضعداری اور رکھ رکھاؤ سے عبارت تھی۔ دبستان صفی کی روایت کو جس

طرح انھوں نے آگے بڑھایا یہ اُنہی کا حصہ ہے ظاہر ہے کہ رؤف رحیم کو شعر و ادب سے لگاؤ ورثہ میں ملا ہے دیکھا جائے تو رؤف رحیم کا ذہنی اور قلبی تعلق اپنے والد بزرگوار کے وسیلے سے "دبستان صفی" سے پیدا ہو جاتا ہے۔ میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ رؤف رحیم طنز و مزاح کے میدان میں دبستان صفی کی توسیع ہیں۔

ہمارے بیشتر طنزیہ و مزاحیہ شاعروں سے مجھے دو شکایتیں رہی ہیں اول تو یہ کہ مزاحیہ شاعری کرنے کے لیے شاعر کے تخلص کا مزاحیہ ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے یہ کوشش عموماً وہی شاعر کرتے ہیں جو اردو شاعری کے کلاسیکی سرمایہ سے نابلد اور ناواقف ہوتے ہیں وہ اپنے کلام کی بجائے اپنے مزاحیہ نام یا تخلص کے ذریعہ لوگوں کو ہنسانا چاہتے ہیں دوسرے یہ کہ ہمارے بیشتر مزاحیہ شعراء کا کلام تک بندی سے آگے بڑھتے نہیں پاتا ان کے موضوعات بھی چند گھریلو مسائل سے اُوپر اُٹھنے نہیں پاتے۔ میں یہ کہوں تو بعض لوگوں کو یہ بات شاید ناگوار گزرے کہ ہمارے ہاں ایسے پڑھے لکھے مزاحیہ شاعروں کا فقدان ہے جو اردو شاعری کی روایت اور اس کے کلاسیکی سرمایہ سے واقف ہوں یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی کے بعد اردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو اعتبار اور اونچا مقام حاصل نہ ہو سکا۔ ادب کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو لے دے کے ہندوستان میں دو تین نام اور پاکستان میں تین چار نام ہی سامنے آتے ہیں جنھوں نے اکبر الہ آبادی کی روایت کو صحیح معنوں میں آگے بڑھایا ہے۔

رؤف رحیم کا کلام پڑھتے ہوئے مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ وہ اردو کے کلاسیکی شعراء کی شاعری اور ان کی روایت سے بخوبی واقف ہیں اس بات نے ان کے لہجے میں ایک اعتماد اور ان کی شاعری میں ایک وقار پیدا کیا ہے۔ وہ الفاظ کے گورکھ دھندے میں نہیں اُلجھتے بلکہ زبان کو اظہار کے ایک موثر اور تخلیقی حربہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ طنز و مزاح نگار کے لیے زبان پر قدرت رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے کسی شعر میں ایک ہی لفظ کا تخلیقی اور فنکارانہ استعمال شعر کو کہاں سے کہاں تک پہونچا دیتا ہے۔ رؤف رحیم بڑی

چابکدستی کے ساتھ لفظوں کی ذرا سی اُلٹ پھیر سے مزاح کے نئے نئے گوشے تلاش کر لیتے ہیں۔ زبان کے تخلیقی استعمال کی ضرورت پیروڈی میں بطور خاص پیش آتی ہے۔ رؤف رحیم نے بعض مشہور غزلوں کی کامیاب پیروڈیاں بھی لکھی ہیں۔ ایک ذہین اور کامیاب مزاح نگار کی طرح وہ مزاح پیدا کرنے کے سارے حربوں سے واقف ہیں موضوعات کی رنگا رنگی اور تنوع' رؤف رحیم کی شاعری کا دوسرا بڑا وصف ہے۔ رؤف رحیم جس طرح موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں اس سے اُن کے گہرے اور پختہ سماجی شعور کا پتہ چلتا ہے ہمارے بہت سے مزاح نگار مزاح پیدا کرنا اور مذاق کرنا تو جانتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ کس کا مذاق اُڑایا جانا چاہیئے اور کس کا نہیں۔ مزاح نگار پر اس بات کی بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے بعض مزاح نگار غفلت میں یا انجانے طور پر ایسے کرداروں اور ایسے موضوعات کا بھی مذاق اڑا دیتے ہیں' جو اصل میں رحمدلی اور ہمدردی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ موضوعات کے معاملہ میں رؤف رحیم کا کینوس کافی وسیع ہے۔ موضوعات سماجی بھی ہیں سیاسی بھی' معاشی بھی ہیں اور ادبی بھی۔ لیکن رؤف رحیم کے ہاتھوں سے کہیں بھی شائستگی کا دامن نہیں چھوٹا ہے یہ بہت بڑی بات ہے۔

رؤف رحیم نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں ان کے مزاحیہ مضامین بھی میں نے پڑھے ہیں لیکن میری شخصی رائے ہے کہ ان کے جوہر شاعری میں کھلتے ہیں اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ شاعری انھیں ورثہ میں ملی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ رؤف رحیم کی طنزیہ مزاحیہ تخلیقات کا مجموعہ شائع ہو رہا ہے مجھے یقین ہے کہ طنز و مزاح کے میدان میں اس منفرد آواز اور لب ولہجہ کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ رؤف رحیم کی فطری ذہانت اور طبعی شوخی سے اُمید ہیکہ وہ بہت جلد اس میدان میں وہ مقام اور مرتبہ حاصل کرلیں گے جس کے وہ مستحق ہیں۔

تاثرات



آج کل دیکھنے میں آیا ہے کہ طنز و مزاح میں کہنے والے شاعر اپنے خیال میں اپنے کلام سے دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اکثر و بیشتر کلام سن کر سر پیٹنے اور رونے کو جی چاہتا ہے۔ طنز و مزاح اردو شاعری کی مشکل ترین صنف ہے میرے خیال میں طنز و مزاح میں لکھنے والے کو تلوار کی تیز دھار پر رقص کرتے ہوئے پل صراط سے گزرنا ہوتا ہے۔ ذرا سی لغزش شاعر کی دُنیا ہی نہیں بلکہ عاقبت بھی خراب کر دیتی ہے۔

رؤف رحیم ایسے شاعر ہیں جو اس صنف میں بہت محتاط ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنے کلام سے ہنسانے کی پوری طاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ شاعر جو اس روتی بسورتی، جلتی بھنکتی دُنیا کو اپنے فن سے قہقہے تقسیم کرے حقیقت میں وہ قابلِ قدر بھی ہے اور قابلِ ستائش بھی۔

رؤف رحیم کا مجموعہ مجھے یقین ہے دُنیائے ادب میں پسند ہی نہیں بلکہ ہاتھوں ہاتھ لیا بھی جائے گا۔

جناب ساغر خیامی
(دہلی)

رؤف رحیم کی ظریفانہ شاعری

رضا نقوی واہی پٹنہ

ظرافت کی مثال ایک ایسے ایوان قہقہہ سے دی جا سکتی ہے جہاں، مختلف قسم کے ایسے شیشے جڑے رہتے ہیں جن پر نظر ڈالتے ہی، اپنا ہی چہرہ مسخ ہو کر ابھرتا ہے اور پوری شخصیت عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے نتیجے میں چہرہ دیکھنے والا اپنے آپ پر بے تحاشہ ہنسنے لگتا ہے حساس فنکاروں کے لیے ہمارا معاشرہ ایوانِ قہقہہ ہے۔ کردار، حادثات، واقعات مختلف قسم کے شیشے ہیں جن میں توازن نہیں۔ یہ سب کے سب مضحک صورتیں پیدا کرتے ہیں۔ فنکار ہنسنے پر مجبور ہے ہنسانا بھی چاہتا ہے اس لیے بھی کہ اس کی خواہش ہے کہ ناہمواری سے بچنا چاہیئے توازن پیدا کرنا چاہیئے سماج تو ناہمواریوں کا گھوارہ ہوتا ہے اس لیے کہ زیادہ ہنسنا بھی عدم توازن ہے جو فنکار اپنے آپ پر نہیں ہنس سکتا وہ دوسروں پر ہنسنے کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرے لفظوں میں اُسے اپنی شخصیت، اپنے گھر، اپنے ماحول میں عدم توازن کی آگہی ہونی چاہیئے۔ تب وہ پورے معاشرے، اور پوری تہذیب میں انمل، بے جوڑ کیفیتوں کا احساس کر سکے گا۔ سنجیدہ مزاحیہ شاعری معاشرے میں پائے جانے والے مسائل اور امراض کی نشاندہی کرتی ہے اور ذمہ دار افراد یا گروہ کے طرزِ فکر اور طرزِ معاشرت پر شگفتگی کا انداز برقرار رکھتے ہوئے اس مقصد کے ساتھ طنز کرتی ہے کہ طنز کا نشتر مادّہ فاسد کے اخراج کا سبب بھی بنے اور نشتر زنی کی اذیت قابلِ برداشت رہ سکے۔ ظریفانہ شاعری، معاشرہ کی ایک نئے انداز کی تنقید ہے جس کا مقصد صرف کمزوریوں کو اجاگر کرنا اور ان پر تمسخر کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ صحت مند اور معیاری تنقید کا تقاضہ نقد و نظر ہوتا ہے جس کے ذریعہ حالات کا تجزیہ اس طور پر کیا جاتا ہے کہ اس میں مثبت پہلو نمایاں ہو اور کھرے کھوٹے یا صحیح

اور غلط کی تمیز پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ تعمیری رجحان پیدا ہوسکے۔ اصلی اور معیاری ظریفانہ شاعری کے لیے صرف طنز و مزاح کی حسین آمیزش ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس میں فکری عنصر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ معاشرہ کی برائی بدعنوانی اور کمزوریوں کے خلاف ردِ عمل کا نام ظریفانہ شاعری نہیں کیوں کہ اس طرح کا عمل انتہا پسندانہ ہوتا ہے اور ایک انتہا پسندی دوسری انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے اور اس کے نتیجہ میں ردّ عمل کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جو اصلاح حال کے عوض حالات کو اور پیچیدہ اور غیر صحت مند بنا دیتا ہے۔ اگر فکر کی بنیادوں پر طنز و مزاح کی آمیزش ہوتی ہے تو ظریفانہ شاعری صرف عیوب اور برائیوں کا تذکرہ نہیں کرتی بلکہ اس میں ہمدردی کے عناصر شامل ہوتے ہیں اور شاعر معاشرہ کی کمزوریوں کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اس انداز میں اس کی پیش کشی کرتا ہے کہ قارئین یا سامعین کا ذہن اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ شاعری کی فنی چابکدستی عمق فکر اور اسلوبِ بیان پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کہاں تک لوگوں میں تعمیری رجحان پیدا کرتا ہے اور کس حد تک غور و فکر کی دعوت دیتا ہے ظریفانہ شاعری میں پایا جانے والا ہمدردی کا یہی جذبہ اس صنفِ ادب کی افادیت اور مقصدیت کا ضامن ہوتا ہے۔

اس موقع پر ایک اور اہم بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ظریف شاعر بھی معاشرہ میں رہتا ہے اسی معاشرہ کے ماحول میں سانس لیتا ہے اور اسی میں اس کی شخصیت پروان چڑھتی ہے وہ اس ماحول کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور اسے نت نئے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ ایک عام سطحی انسان سے مختلف ہوتا ہے وہ صرف خارجی کوائف پر سرسری نظر نہیں ڈالتا بلکہ معاشرتی زندگی کی کیفیات کو داخلی طور پر محسوس کرتا ہے اور اس کی فکر نواز نگاہیں ان کیفیات اور حالات کی تہوں تک پہونچتی ہیں۔ اس کے مشاہدہ میں داخلیت جتنی بڑھتی جاتی ہے اس کی فکر کی گہرائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اس کی شاعری زیادہ افادی اور مقصدی ہو جاتی ہے۔ ایک ظریف شاعر معاشرہ کی کمزوریوں اور برائیوں کا مشاہدہ کرتے

ہوئے معاشرتی زندگی یا ان کمزوریوں کے حامل افراد یا گروہ سے نفرت نہیں محسوس کرتا بلکہ اسے ان سے اسی طرح ہمدردی پیدا ہوتی ہے جیسے کسی بالغ نظر انسان یا کسی معالج کو مریض کو دیکھنے کے بعد ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح ایک اچھا معالج کسی مریض کو دیکھ کر اس کے مرض کی تشخیص کے بعد اس کا مضحکہ نہیں اڑاتا اور اسے ہدفِ ملامت نہیں بناتا بلکہ اس سے ہمدردی محسوس کرتے ہوئے اس کے مرض سے نجات دلانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ایک کامیاب ظریف شاعر معاشرے کے نقائص اور کمزوریوں کے خلاف نفرت کے ردِعمل کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ معاشرے کی کمزوریوں کا ہمدردی کے ساتھ اظہارِ خیال کر کے غلط اور غیر صحت مند رجحانات سے باخبر کرتا ہے تاکہ معاشرہ یا افرادِ معاشرہ صحت مند اور تعمیری اقدار پر مائل ہوں۔ ظریفانہ شاعری میں یہ خوبی اسی وقت آ سکتی ہے جب طنز و مزاح کی پیش کش فکر کی بنیاد پر کی جائے۔

مذکورہ بالا منتشر خیالات کے چوکھٹے میں جب رؤف رحیم کی ظریفانہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ باوجودیکہ ابھی ان کی شاعری FORMATIVE STAGE میں ہے لیکن اس میں ترقی کے امکانات روشن ہیں۔ ان کے کلام کو سرسری طور سے پڑھنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کا مشاہدہ گہرا ہے اور معاشرہ پر ان کی گہری نظر ہے۔ موجودہ دور کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات سے انھیں فکری آگاہی حاصل ہے اور اس ماحول میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر ان کی ناقدانہ نگاہیں پڑتی ہیں اور اس کے دوررس اثرات کو وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں بطور ثبوت "خدا خیر کرے" کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

ایک شاعر کا ہوں مہمان خدا خیر کرے ؛ اس کے ہاتھوں میں ہے دیوان خدا خیر کرے

پیٹ میں آنت نہیں منہ میں کوئی دانت نہیں ؛ اس پہ شادی کا ہے ارمان خدا خیر کرے

بدشکل ہے ضعیف ہے دلہن تو کیا ہوا ؛ لاکھوں کی جائیداد بھی میری نظر میں ہے

انگریزی پڑھ رہے ہیں امیروں کے لاڈلے ؛ اردو غریب صرف غریبوں کے گھر میں ہے

شادی کہیں اسے کہ کہیں عمر قید ہم — بیوی ہے انڈیا میں تو شوہر قطر میں ہے

مُردہ بتا کے زندوں کو بیچا یا مُردہ گھر — کتنا بڑا کمال مرے ڈاکٹر میں ہے

مفت میں میں جو دستیاب ہوا — میرا لاکھوں میں اِنتخاب ہوا

پھر پھڑکنے جو لگی نبضِ محبت میری — نرس بھی دیکھ کے تکتی رہی صورت میری

امن ہوگا تو نہ چل پائے گی روٹی روزی — ہے فسادات پہ موقوف قیادت میری

محفلِ شعر کا سب خرچ اٹھاؤں گا مگر — شرط یہ ہے کہ رکھی جائے صدارت میری

فساد ہر جگہ برپا ہے کیا کیا جائے — مزاجِ قوم ہی ایسا ہے کیا کیا جائے

جو مذہبی تھے مسائل وہ اب سیاسی ہیں — یہی تو دال میں کالا ہے کیا کیا جائے

پُرانا شہر ہے بدنام قتل و خون کیلئے — مگر اسی میں تو جینا ہے کیا کیا جائے

خط کبوتر کس طرح لے جائے بامِ یار پر — مل گئی مادہ اُسے جب دوسری دیوار پر

ہم کسی کا بھلا نہیں کرتے — کام بے فائدہ نہیں کرتے

سوکھے پیڑوں کی طرح یہ لیڈر — ہم پہ سایہ ذرا نہیں کرتے

ان کو شاعر نہیں کہوں گا میں — جو کسی سے جلا نہیں کرتے

ہم کو مہنگی پڑی دوستی آپ کی — کیوں کہ سننی پڑی شاعری آپ کی

اب ترنم کی کوشش نہ فرمائیے — بے شرمی ہو گئی بانسری آپ کی

گھاٹا بجٹ میں ہے تو گرانی بڑھائیے — سرکار کا ہے قرض چکاتے رہیں گے ہم

"مجھے بھی کچھ کہنا ہے..."

رؤف رحیم
"مصنف"

میرا قلمی نام رؤف رحیم ہے جب کہ والد محترم نے محمد رؤف رحیم الدین رکھا تھا۔ عمر اسم نویسوں کے لحاظ سے کچھ اور سرٹیفکیٹ کے لحاظ سے کچھ ہے جائے پیدائش پرانا شہر (حیدرآباد دکن) ہونے کی وجہ سے دہشت میں صحیح تاریخ پیدائش یاد نہیں۔ چونکہ ٹرٹرانے کی عادت ہے اس لیے یہ اندازہ لگایا گیا کہ "مرگ" کے قریب کی پیدائش ہوگی اس طرح ۱۰؍جون ۵۴ ۱۹ء تاریخ پیدائش قرار پائی جو مستند نہیں۔ پیدائشی گھرانے پہ فخر ہے کہ میں نے دکن کے بزرگ استاد شاعر الحاج محمد شمس الدین تاباںؔ جیسے شریف النفس انسان کے گھر جنم لیا۔ خون میں شاعری ان کی توسط سے آئی۔ بچپن سے ان کی تعلیمات اور شاعری کانوں میں پڑتی رہی۔ شروع میں شاعری کو میں افلاس کی علامت سمجھتا تھا اور اس سے دامن بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ چونکہ عاشقی اور شاعری کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے میں عاشق تو نہیں ہو سکا شاعر ہو گیا۔ میرا رجحانِ شعر و ادب کی جانب دیکھ کر والدِ محترم نے فرمایا کہ جب تک چراغ میں تیل نہیں وہ نہیں جلتا۔ مجھے سائنس سے گریجویشن کرنے کے باوجود اردو ادب سے یم اے کرنا پڑا۔ چونکہ یہ ڈگری ملازمت میں کسی کام نہیں آتی۔ میں اسے نام کے ساتھ دُم چھلے کے طور پر استعمال کرتا ہوں۔

بعض اوقات سنجیدگی مزاح کو جنم دیتی ہے جیسے ولی کے بیٹے میں شیطان۔ میں نے طنز پہ پیروڈیز اور غزلیں لکھنا شروع کیں اور ساتھ ہی ساتھ سنجیدہ کلام بھی۔ والدِ بزرگوار شروع میں مزاحیہ شاعری کی دبے الفاظ میں مخالفت کرتے رہے لیکن کلام میں طنز کو دیکھتے ہوئے ہمت افزائی

کی کیوں کہ میں نے اپنی شاعری کو مسخرہ پن سے پاک رکھا۔ قلم چلنا شروع ہوا تو مزاحیہ مضامین، مزاحیہ شاعری، سنجیدہ مضامین، سنجیدہ شاعری، ڈرامے اور افسانے لکھے جانے لگے۔ اخبارات اور رسائل، ریڈیو اور ٹی وی نے سراہا۔ مشاعروں میں کلام کے ساتھ ساتھ ترنم کو بھی پسند کیا جانے لگا اس طرح ادبی دنیا میں روشناس ہو گیا۔

تعلیم پوری کرنے کے بعد روزگار کا چکر فطری بات ہے سرکاری ملازمت کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہیں اس لیے سیاست میں قدم رکھا خدانخواستہ POLITICS میں نہیں بلکہ روزنامہ "سیاست" میں ملازمت اختیار کی۔ وہاں کے انتظامیہ نے اس قابل بنا دیا کہ ہم دنیا کے کسی بھی محکمہ میں آنکھیں بیچ کر کام کر سکتے تھے ۱۹۸۰ء میں ادبی دنیا سے محکمہ بلدیہ میں آ گئے۔ شاعری پر اصلاح والدِ محترم ہی سے لیتا رہا وہی میرے لیے سب کچھ تھے شفیق باپ رفیق استاد۔ والدِ مرحوم حضرت محمد شمس الدین تاباں کے مجموعہ کلام "زنجیرِ دِ ناز" اور حضرت صفی اورنگ آبادی کے کلام "گلزارِ صفی" کی ترتیب اور اشاعت نے بھی مجھے بہت کچھ سکھایا۔

میں نے اکثر شعراء کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں اور کوشش کی ہے کہ طنز و مزاح میں بھی ادب کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

میری مزاحیہ شاعری کی ہمت افزائی میں جناب محبوب حسین جگر جائنٹ ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" ڈاکٹر مصطفٰے کمال، ایڈیٹر "شگوفہ" جناب محمود انصاری "منصف" علاوہ تمام اخبارات اور اداروں نے حصہ لیا۔ سب سے زیادہ قارئین اور سامعین نے۔ ۱۹۷۵ء سے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے وقتاً وقتاً سے میرا کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ دوردرشن حیدرآباد سے بھی کلام سنانے کے مواقع ملتے ہیں جس کے لیے میں جناب امتیاز علی تاج پروگرام اگزیکیٹو کا بھی ممنون ہوں۔

زندگی میں سکھ دکھ کا ایسا ساتھ رہا کہ فرق کرنا مشکل ہو گیا مسکراتا رہا اور دوسروں کو بھی مسکرانے کا میدان فراہم کرنے کی کوشش کرتا

زندہ دلانِ حیدرآباد نے اس کوشش میں میرا ساتھ دیا۔

جس طرح ہر انسان کو اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے (چاہے کیسی بھی ہو) اسی طرح ایک شاعر کو اس کا مجموعہ کلام عزیز ہوتا ہے۔ جس طرح اولاد کا ہونا مقدر کی بات ہے اسی طرح مجموعہ کلام کا چھپنا بھی۔ ایک شاعر بغیر کسی ادارے کی مدد کے اپنے کلام کو شائع کرانے کی حماقت نہیں کرسکتا [متشاعر ضرور کرسکتے ہیں]

میں ملک کے نامور طنز و مزاح نگار جناب مجتبیٰ حسین صاحب اور صدر زندہ دلان، عزیز در لوتھر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات [ادبی، خانگی و سرکاری] کے باوجود مجھ پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا نیز جناب رضا نقوی واہی اور جناب ساغر خیامی نے بھی میرے کلام پر تبصرہ فرمایا۔ ڈاکٹر مجید بیدار صاحب نے پیش لفظ لکھ کر میرے سنجیدہ مزاح کی پذیرائی کی۔ اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش، زندہ دلانِ حیدرآباد اور سرور ڈنڈا میموریل سوسائٹی کے علاوہ جناب نظیر علی عدیل اور جناب محمد نورالدین خاں صاحب صدرِ ادبستانِ دکن اور جناب ریاست علی تاج اور جناب معین الدین بزمی ایڈوکیٹ اور جناب فصیح الدین خلیل کا بھی ممنون ہوں جن کے تعاون سے "خدا خیر کرے" خدا خدا کرکے منظرِ عام پر آگیا۔ میں خاص طور پر ممتاز آرکیٹکٹ و طنز و مزاح کے غالب جناب طالب خوندمیری کا شکر گزار ہوں جنھوں نے دیدہ زیب ٹائیٹل بناکر کتاب کی خوبصورتی میں چار چاند لگائے۔

اُمید ہے کہ میرا یہ مجموعہ کلام ناقابلِ برداشت نہ ہوگا [بلحاظ قیمت و دلچسپی] آخر میں میں تمام قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ میرے مجموعہ کلام کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی دعا کریں کہ "خدا خیر کرے"

وابستۂ قدیم
رؤف رحیم

پس و پیش لفظ

مزاحیہ شاعری کے نام پر دورِ حاضر میں جو غیر اخلاقی شاعری کا رواج ہوتا جا رہا ہے، اس کی مذمت کے بجائے چٹخارہ لینے کے رجحان نے دکن میں مزاحیہ شاعری کو حد درجہ بدنام کر دیا ہے چنانچہ ایسے شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا جو سوقیانہ اور عامیانہ خیالات کے ذریعہ مشاعروں میں دھوم مچانے کو ہی ادب کی خدمت سمجھنے لگے اور ان کی شاعری کسی لحاظ سے بھی اچھی شاعری کی سرشت میں شامل نہیں کی جا سکتی۔ غرض ایک ایسے ماحول میں جبکہ ہنسی، پھوہڑپن اور چٹخارہ کے لیے شاعری کی جا رہی ہو، رؤف رحیم نے سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ ان کا اولین مزاحیہ شعری مجموعہ ادب دوستوں کے سامنے پیش ہے۔ رؤف رحیم کی شاعری مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کے تمام نشتروں کو نمایاں کرتی ہے چنانچہ شاعری کی طرف مائل اشخاص پر ان کے تیکھے نشتر پر توجہ کیجئے ؎

سودا یہ شاعری کا ہمارے جو سر میں ہے
ہنگامہ محفلوں میں ہے افلاس گھر میں ہے

ادبی حدود میں رہتے ہوئے طنز کرنے کا وصف انھیں اپنے اسلاف سے ملا ہے۔ "صفی اسکول" سے وابستگی نے ان میں جس ظرف کو پروان چڑھایا ہے اس کا تقاضہ ہی یہی تھا کہ غزل کی سنجیدہ ڈگر سے ہٹ کر دورِ حاضر میں فروغ پانے والی مزاحیہ غزل کے ذریعہ اپنے جوہر کو آشکار کریں۔ یہ کہنا قبل از وقت بات ہوگی کہ رؤف رحیم نے مزاحیہ غزل کے فن میں کس قدر تجربے کئے اور وہ اس فن میں کس قد قدآور شاعر ہیں۔ کیوں کہ ابھی اُن کا شعری سفر جاری ہے اور اس سفر کی شروعات سے خود پتہ چلتا ہے کہ وہ قدآور شاعر

نہ سہی لیکن سنجیدگی سے اخلاقی اقدار کی پامالی کو اپنی شاعری کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ نظر کے زنا پر یہ اخلاقی چوٹ بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

چاند سے چہروں کو تکنے کی تھی عادت میری
اس لیے پڑ گئی کمزور بصارت میری

رؤف رحیم احساس اور ارادے کے اعتبار سے اصول پسند اور اقدار کے پاسباں شاعر ہیں چنانچہ ان کی مزاحیہ شاعری میں ایسے کئی مسائل دکھائی دیتے ہیں جن پر دورِ حاضر کے شاعروں کو ہی نہیں بلکہ قوم اور تہذیب کے علمبرداروں کو بھی غور کرنا ہے۔ سنجیدہ فکر کے ساتھ مزاحیہ شاعری کی طرف توجہ دینا ایک مشکل کام ہے اور رؤف رحیم نے اسے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے چنانچہ ان کی سنجیدہ شاعری کا اثر مزاحیہ شاعری پر پڑنے نہیں پاتا۔ شاعروں میں پیدا ہونے والی معاصرانہ چشمک اور آپسی حسد و جلن کی فضاء کو رؤف رحیم کچھ اس انداز سے نظم کرتے ہیں ؎

ان کو شاعر نہیں کہوں گا میں
جو کسی سے جلا نہیں کرتے

مزاحیہ شاعری میں بھی رؤف رحیم سنجیدہ شاعری کی طرح روایات اور روایتی اقدار کے پاسدار ہیں لیکن جدید انداز اور شعری روایات سے بے سُرے پن کو جس لہجہ سے شاعری میں یاد کرنے کی روایات کو رؤف رحیم نے آگے بڑھایا ہے وہ حقیقت میں ان کا اپنا حصّہ ہے چنانچہ جدید شعری لفظیات پر رؤف رحیم کا طنز ملاحظہ ہو ؎

جدّت کی کھاد فکر کو ہو جائے گر نصیب
کھیتوں میں آفتاب اگاتے رہیں گے ہم

بلاشبہ سنجیدہ شاعری نے ہتھیلی میں آفتاب کی روایت کے ذریعہ جو شور برپا کیا تھا اس پر اس سے لطیف طنز اور کیا ہو سکتا ہے۔ رؤف رحیم کی شعری

لفظیات پر روایت کا اثر ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ بعض نقاد اس پر توجہ نہ کریں لیکن حقیقت کے اظہار سے رؤف رحیم کبھی نہیں چوکتے۔
چنانچہ کہتے ہیں ؎

میں چاپلوسی سے زردار بن گیا بے شک
جو اہلِ فن ہیں یہاں اُن کا پیٹ خالی ہے

رؤف رحیم کا یہ شعری مجموعہ تہذیب پرستوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے اگرچہ انھیں شعروادب کے ابھی کئی مرحلے طے کرنا ہے لیکن نقشِ اول خود ان کی پرواز کا پتہ دیتا ہے۔ ادب دوستوں کو رؤف رحیم کی شاعری سے توقعات وابستہ ہیں اور یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری مزاحیہ ادب میں اپنا مقام بنائے گی۔

ڈاکٹر مجید بیدار
شعبہ اردو
مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد
مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۹۱ء

ایک شاعر کا ہوں مہمان خدا خیر کرے
اُس کے ہاتھوں میں ہے دیوان خدا خیر کرے

میں ہوں لاغر وہ پہلوان خدا خیر کرے
میری آفت میں پھنسی جان خدا خیر کرے

نیند میں چیختا رہتا ہے وہ چوّا، چھکّا
اس پہ کرکٹ کا ہے شیطان خدا خیر کرے

مجھ سے بیگم کا تقابل تو فقط اتنا ہے
میں دیا ہوں تو وہ طوفان خدا خیر کرے

گھر میں چاول ہے نہ آٹا ہے نہ ادرک لہسن
پھر بھی پکچر کا ہے ارمان خدا خیر کرے

میں تو داماد ہوں، الٹا بھی تو داماد رہا
اور نادان بھی نادان خدا خیر کرے

چھیڑ کر آیا تھا جس شوخ حسینہ کو ابھی
بھائی اس کا ہے پہلوان خدا خیر کرے

پیٹ میں آنت نہیں منہ میں کوئی دانت نہیں
اس پہ شادی کا ہے سامان، خدا خیر کرے

کتنی غزلوں کو خدا جانے سُنائیں گے رحیم
ہیں ترنم میں جو غلطان خدا خیر کرے

قرض خواہوں کی ہے بھرمار خدا خیر کرے
پھر وہ کھانے لگے آچار خدا خیر کرے

ناچ منگنی کا نچائے گا رعایا کو وہ
کیوں کر لیڈر ہے اداکار خدا خیر کرے

گن رہا تھا میں جو تارے تو نظر اس پہ پڑی
وہ ستارہ جو تھا دُم دار خدا خیر کرے

پاس رہ کر مرے جیبوں پہ نظر ہے اُن کی
اُن کے مشکوک ہیں اطوار خدا خیر کرے

لوگ آ آ کے عیادت کو مجھے لُوٹیں گے
پڑ گیا ہوں میں جو بیمار خدا خیر کرے

کیسے چل پائے گی جیون کی کھٹارا اپنی
کم سخن میں ہوں وہ طرار خدا خیر کرے

دھمکیاں دیتے ہیں میکے سے چلے آنے کی
سر پہ لٹکی ہے یہ تلوار خدا خیر کرے

دیش میں کیوں نہ جرائم میں اضافہ ہوگا
نوجواں سارے ہیں بے کار خدا خیر کرے

ساری تنخواہ رحیم ان کے حوالے کر دو
"آج غصہ میں ہیں سرکار خدا خیر کرے"

سودا یہ شاعری کا ہمارے جو سر میں ہے
ہنگامہ محفلوں میں ہے افلاس گھر میں ہے

بدشکل ہے ضعیف ہے، دلہن تو کیا ہوا؟
لاکھوں کی جائداد بھی میری نظر میں ہے

انگریزی پڑھ رہے ہیں امیروں کے لاڈلے
اُردو غریب صرف غریبوں کے گھر میں ہے

شادی کہیں اسے کہ کہیں عمر قید ہم
بیوی ہے انڈیا میں تو شوہر قطر میں ہے

مردہ بتا کے زندوں کو پہنچایا مُردہ گھر
کتنا بڑا کمال مرے ڈاکٹر میں ہے

فاقہ کشی سے مرتے ہیں مرجائیں یہ عوام
شہروں کی خوبصورتی میری نظر میں ہے

چندے مرید دے کے ہیں فٹ پاتھ پر مگر
دیکھو تو وی سی آر بھی مرشد کے گھر میں ہے

مندا کنی کے ساتھ ہوں میں محوِ عاشقی
دیکھا تو میرا خواب بھی ٹکنی کلر میں ہے

غصّہ نکالتا ہے جو عملے پہ اے رحیم
افسر عجیب نہیں ہے کہ بیگم کے ڈر میں ہے

جب سے میں صاحبِ کتاب ہوا
دوست جل کر مرا کباب ہوا

مفت میں مَیں جو دستیاب ہوا
میرا لاکھوں میں انتخاب ہوا

ساری غزلیں سُنا کے چھوڑا ہے
اس سے ملنا تو اک عذاب ہوا

پہلے پاگل ہی مجھ کو کہتے تھے
شاعروں میں اب انجذاب ہوا

پیش رَو پی کے خوب لکھتے تھے
اس لیے مائلِ شراب ہوا

جسم بُرقعے میں اور مُنہ باہر
بے حیا، یہ بھی کچھ حجاب ہوا!

ڈر کے مارے نکل گئے دیدے
مرے آگے وہ بے نقاب ہوا

اس کو ناکام کردیا میں نے
اپنے مقصد میں کامیاب ہوا

جب سے رخصت ہوا شباب رحیم
تب سے میں مائلِ خضاب ہوا

جیتے جی حور ملے، کیا نہیں قسمت میری
رنگ لائے مرے اللہ عبادت میری

چاند سے چہروں کو تکنے کی تھی عادت میری
اس لئے پڑ گئی کمزور بصارت میری

پھڑپھڑانے جو لگی نبضِ محبّت میری
نرس بھی دیکھ کے تکتی رہی صورت میری

اپنا معمار ہوں میں دیش کا معمار نہیں
جھوٹی بنیاد پہ ٹھہری ہے عمارت میری

میں ہنی مون کو کشمیر گیا تھا تنہا
ساری دنیا میں ہے مشہور بخالت میری

امن ہوگا تو نہ چل پائے گی روزی روٹی
ہے فسادات پہ موقوف قیادت میری

محفلِ شعر کا سب خرچ اٹھاؤں گا مگر
شرط یہ ہے کہ رکھی جائے صدارت میری

شاعری کھیل سمجھنے لگے بونے جب سے
اور اونچی نظر آنے لگی قامت میری

اک غزل میں نے سنائی تھی جو محفل میں رحیم
مفت میں ہوگئی اس روز حجامت میری

کیا جانے کیا لکھا تھا اُنھیں اضطراب میں
قاضی کے ساتھ آ گئے خط کے جواب میں

لغزش سی ہو گئی تھی مرے انتخاب میں
میں کر سکا نہ فرق جو گوبھی، گلاب میں

گیسو بدوش آئے تھے اک روز خواب میں
اس روز سے ہوں آج تلک پیچ و تاب میں

رہتے الگ تو عیش بھی کرتے الگ الگ
ماں باپ اپنے بن گئے ہڈی کباب میں

شاید اسی لیے تھا وہ غرقِ مطالعہ
تصویر پدمنی کی تھی چسپاں کتاب میں

دیکھا کہ مجھ کو سیٹ منسٹر کی مل گئی
چھیچھڑے دکھائی دیتے ہیں بلّی کو خواب میں

اتنے سے کام کے لیے کیوں دور جائیے
بکنی پہن کے تیریے چشمِ پُر آب میں

دل میں ہزار گالیاں دیتا ہوں میں انھیں
اُٹھتی نہیں زبان جو اُن کی جناب میں

شاید کوئی حسین ہے محفل میں اے رحیم
ہلچل مچی ہوئی ہے جو ہر شیخ و شاب میں

یوں دل ترس رہا ہے تری کار دیکھ کر
للچائے جیسے جام کو مے خوار دیکھ کر

بالائے بام یا پسِ دیوار کون جائے
عشقِ بتاں کو رونقِ بازار دیکھ کر

جوڑے کا بھاؤ چاہیئے ڈگری کے وزن پر
قیمت بڑھا رہا ہوں خریدار دیکھ کر

اب رکشا راں بھی گاتے ہیں مخدوم کی غزل
شاید اثر ہوا ہے یہ "بازار" دیکھ کر

دونوں کا لال خون بھی کیا ہوگیا سفید
لڑتے ہیں لوگ سبحہ و زنّار دیکھ کر

کوئی فساد، چوری ڈکیتی، نہ حادثہ
حیران ہوں میں آج کا اخبار دیکھ کر

کس سمت جا رہے ہیں بتاؤں میں شیخ جی
اندازہ ہو چکا ہے، یہ رفتار دیکھ کر

ملکِ خدا بھی تنگ ہوا پائے لنگ پر
اہلِ وطن کو برسرِ بیکار دیکھ کر

اب اے رحیم آپ بھی سنیاس لیجئے
"رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر"

داماد کے گھر میں جو کوئی ساس نہیں ہے
سمجھو کہ وہاں نام کو افلاس نہیں ہے

کس واسطے بے حس ہی بنے رہتے ہیں لیڈر
کیا واقعی احساس انھیں راس نہیں ہے؟

مفلس ہی سہی، ہے وہ مگر دل کا تونگر
استاد ہے میرا، یہ ترا باس نہیں ہے

گرمی کو بھی غصّے کی چھپا رکھوں گا لیکن
افسوس کہ ایسا کوئی تھرماس نہیں ہے

گالی ہی بکو، انڈے ہی پھینکو نہ تو جوتے
محفل ہے حکومت کا یہ اجلاس نہیں ہے

ہنسنا ہی نہیں اس پہ ذرا غور بھی کرنا
یہ شاعری میری کوئی بکواس نہیں ہے

جیت اور بسیط ایک ہیں ہم قافیہ ہو کر
میراث کا کیوں قافیہ قرطاس نہیں ہے

لگ جائے تو ہے تیر نہیں تو ہے یہ تکا
اس عشق کے سودے میں کوئی لاس نہیں ہے

مہنگی ہے رحیم اس لیے چٹنی میں ہے میری
سوکھی ہوئی مرچ ہے میاں ناس نہیں ہے

"اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے"
ہم سے خوش فہموں کا یارو یہ خیال اچھا ہے

نہ حرام اچھا ہے یارو نہ حلال اچھا ہے
کھا کے بچ جائے جو ہم کو وہی مال اچھا ہے

صرف نعروں سے غریبی تو نہیں مٹ سکتی
ملک سے سارے غریبوں کو نکال اچھا ہے

ساتھ بیگم کے ملا کرتے ہیں دس بیس ہزار
مفت کے مالوں میں سسرال کا مال اچھا ہے

نرس کو دیکھ کے آجاتی ہے منہ پہ رونق
"وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے"

جھڑکیاں سن کے ادھر، ہم کو ادھر ڈانٹتے ہو!
اپنی گھر والی کا عملے پہ وبال اچھا ہے

دام غلّے کے ہوئے جاتے ہیں سر سے اونچے
اچھے لیڈر ہو غریبوں کا خیال اچھا ہے

تمکنت چال میں، چہرہ پہ متانت آئی
حسن اس شوخ کا مائل بہ زوال اچھا ہے

اپنے استاد کے شعروں کا تیا پانچہ کیا
اے رحیمؔ آپ کے فن میں یہ کمال اچھا ہے

یا غنچۂ اِطفال ہے کٹیا مرے آگے
گورا مرے پیچھے ہے تو کالا مرے آگے

اِس دور میں چھوٹوں ہی کی ہوتی ہے خوشامد
لیڈر کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

آیا ہوں جو دوبئی سے تو یہ چاؤ ہیں میرے
سالی مرے پیچھے ہے تو سالا مرے آگے

اسکول کی تعلیم نے گُل ایسا کِھلایا
اب آنکھیں دِکھاتا ہے بھتیجا مرے آگے

لایا تھا بھگا کر مجھے لے بھاگی وہ گھر سے
جو میں نے کیا تھا وہی آیا مرے آگے

اغیار حسیں ہوں تو میں ہوں ان کا بھی عاشق
یکساں ہے ہر اک اپنا پرایا مرے آگے

قسمت کو نہ کوس اپنی رحیم اِتنا سمجھ لے
اوروں سے کیا میں نے، جو آیا مرے آگے



جو پندرہ سال سے چہلیس ہی پہ آپ اٹکی ہیں
کم از کم آئینے سے جھوٹ فرمایا نہیں کرتے

خضاب اچھا کرو، اچھا کرو میک اپ مگر سن لو
کبھی گزرے ہوئے دن لوٹ کر آیا نہیں کرتے

شیر کی طرح سے دفتر میں جو افسر تو ہے
بھیگی بلّی کی طرح اپنے ہی گھر پر تو ہے

حسن والوں کے لگاتا ہے تو گھر کے چکّر
کیا غلط ہے جو میں کہہ دوں کہ کبوتر تو ہے

تجھ کو جائز ہے ہر ایک چیز ہے جو ناجائز
کیوں کہ اس دیش کا مانا ہوا لیڈر تو ہے

تجھ کو بے پیندے کا لوٹا ہی کہوں گا "لیڈر!"
دل بدلتا ہی جو رہتا ہے دلّدر تو ہے

کیا تقابل ہو ترا اور تری بیگم کا
وہ مگر مچھ ہے سمندر کی تو مچھّر تو ہے

نہ اگلتے ہی بنے اور نہ نگلتے ہی بنے
سانپ کا منہ ہے مرا اور چھچھوندر تو ہے

ڈارون! میں تو ہوں اولاد اسی آدم کی
فلسفہ تیرا ہے اس واسطے بندر تو ہے

اپنی بکواس سناتا ہے زبردستی مجھے
کھائے جاتا ہے مسلسل جو مرا سر تو ہے

تیرے خوابوں میں رہا کرتی ہے ریکھا ہی رحیم
کیوں نہ کہہ دوں کہ مقدر کا سکندر تو ہے

ہم روز جو لڑتے ہیں تماشا نہیں ہوتا
معمول کا جھگڑا کوئی جھگڑا نہیں ہوتا

میں بچّے کھِلاتا ہوں تو وہ جلتے ہیں پھر
یہ روز کا راتب ہے جو ناغہ نہیں ہوتا

لیڈر کی یہ پہچان کہ وہ پھولتا جائے
شاعر کی یہ پہچان کہ موٹا نہیں ہوتا

ہر ایک ملازم کا ہے یہ حال کہ گھر میں
چاول نہیں ہوتے، کبھی آٹا نہیں ہوتا

یہ سوچ کہ لوٹاتا نہیں قرض کسی کا
احباب سے مانگا ہوا قرضا نہیں ہوتا

گر لاٹری اٹھ جائے تو کیا ٹھاٹ سے گزرے
یہ خواب ہے اندھوں کا جو پورا نہیں ہوتا

ہر چیز کی قلت ہے رحیمؔ، آج وطن میں
افسوس کہ کنبہ کوئی چھوٹا نہیں ہوتا

جب تک سری دیوی کا نظارہ نہیں ہوتا
سو ڈگری سے نیچے مرا پارہ نہیں ہوتا

بیوی کے بغیر اپنا گزارہ تو ہے لیکن
ٹی وی کے بغیر اپنا گزارہ نہیں ہوتا

باتوں باتوں میں مرا بیگم سے جھگڑا ہوگیا
اتنی صلواتیں سنائیں میں تو بہرا ہوگیا

"گھر جنوائی" بن گیا پھر گھر پہ قبضہ ہوگیا
رفتہ رفتہ ان کا میکہ میرا میکہ ہوگیا

چار دن سسرال میں رہ کر میں لوٹا اپنے گھر
"چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا ہوگیا"

لوگ جلتے ہیں مری مقبولیت سے آج کل
اُن کے جلنے سے مرے فن میں اُجالا ہوگیا

چلتے چلتے راہ میں مجھ سے ہوا وابستہ وہ
جستہ جستہ دوستو پھر حال خستہ ہوگیا

ایک شاعر اتنا بکواسی تھا تم سے کیا کہوں
ساتھ رہنا اس کے جیسے حبسِ بے جا ہوگیا

میری مجبوری ہے یہ عریانیت، فیشن نہیں
کیا کروں میں دیش میں کپڑا بھی مہنگا ہوگیا

پھول کے دو ہار ڈالے بن گیا پھر سر کا تاج
دیکھتے ہی دیکھتے چمچہ وہ نیتا ہوگیا

سر کھپایا شاعری میں اِس قدر میں نے رحیمؔ
بال سارے جھڑ گئے اور خالی بھیجا ہوگیا

فساد ہر جگہ برپا ہے کیا کیا جائے
مزاجِ قوم ہی ایسا ہے کیا کیا جائے

جو مذہبی تھے مسائل وہ اب سیاسی ہیں
یہیں تو دال میں کالا ہے کیا کیا جائے

ادھار پیتے تھے غالبؔ تو یہ چُراتا ہے
چچا سے آگے بھتیجا ہے کیا کیا جائے

ہم اپنی ناک کھُجلانے سے ہو گئے قاصر
ہمارے سامنے نکٹا ہے کیا کیا جائے

ہے خودکشی ہی اب انجامِ عشق بازی کا
ہمارے خواب میں "ریکھا" ہے کیا کیا جائے

عدو کے گھونسے ہیں یا تو مار پیٹ سالوں کی
یہی تو عشق میں ہوتا ہے کیا کیا جائے

پُرانا شہر ہے بدنام قتل و خوں کے لیے
مگر اسی میں تو جینا ہے کیا کیا جائے

ہر ایک شعر ہمارا ہے طنز کا نشتر
ہمارا لہجہ ہی تیکھا ہے کیا کیا جائے

ڈھکا چھپا نہیں فرہاد و قیس کا انجام
رحیمؔ عقل کا اندھا ہے کیا کیا جائے

"خط کبوتر کس طرح لے جائے بامِ یار پر"
مل گئی مادہ اُسے جب دوسری دیوار پر

کیوں نہ آئے ہم کو غصہ قسمتِ اغیار پر
ہم تو پڑھ لکھ کے ہیں پیدل اور جاہل کار پر

اب بھی موقع ہے کہ ہم سمجھوتہ کرلیں پیار پر
ورنہ پھانسی لے کے تم کو بھیج دوں گا دار پر

ہر طرف ہے رقصِ حسنِ رقصاں، دیدبازی جرم ہے
جب کھلے ہیں میکدے تحدید کیوں مئے خوار پر

گھورتے ہیں یوں بتوں کو یہ ہوس کارانِ حسن
چیل کی جس طرح ہوتی ہے نظر مُردار پر

ساتھ ہے رکشا میں شوہر دیدہ و دل فرشِ راہ
ایک پہلو میں تو اک دل میں نگاہیں چار پر

دوسروں کے شعر کو اپنا بنا سکتا ہوں میں
واہ وا ہوتی ہے میری اس لیے اشعار پر

شاعری کچھ کھیل ٹھٹھا تو نہیں ہے میرے یار
آبلے ہیں پاؤں میں، چلتے ہیں ہم تو خار پر

اُن کی آمد کی خوشی میں ہوگئے پاگل رحیم
چونا چہرے پر ملا اور پاؤڈر دیوار پر

اس لیئے غازہ چڑھا رہتا ہے روئے یار پر
ہے "گلاوٹ"[1] کی ضرورت کھوکھلی دیوار پر

ہو گئے متوالے پی کر اُن کی آنکھوں کی شراب
بن گئے سب دل کباب ان آتشیں رخسار پر

ایسے معصوم محبت سے وفا کی تھی اُمید
کھلکھلا کر ہنس پڑا جو آخری دیدار پر

ہو گیا حسن و محبّت کا دواخانہ یہ گھر
ان کی دو بیمار آنکھیں اک دلِ بیمار پر

زندگی میں ایک جورو پر نہ قابو پا سکا
مر کے البتہ مرا لاشہ ہے بھاری چار پر

عشق بے چارہ تو آجائے گا جھانسے میں ضرور
کیوں نہ پابندی لگا دیں حُسنِ مردم خوار پر

آج اس نے اپنے برقعے سے نہیں اُلٹی نقاب
پڑ گئی افسوس مٹّی حسرتِ دیدار پر

ہم اچھل بیٹھے خوشی سے اور آنکھیں کھول دیں
وہ اچانک آ گئے جب آخری دیدار پر

مُسکرا کر مار ہی ڈالا مجھے اس نے رحیم
رحم اس کو آ گیا جب میرے حالِ زار پر

[1] استرکاری

لگتا ہے کس کی آنکھوں کا اب تیر دیکھنا
سڑکوں پہ اِک ہے روز نئی ہیر دیکھنا

عریاں جو پوسٹر ہو اُسے تم نکال لو
چاہو جو جیتی جاگتی تصویر دیکھنا

جدّت پسند و تم نہ روایت شکن بنو
بنیاد پہلے بعد میں تعمیر دیکھنا

میں بادشاہِ وقت ہی بنتا عجب نہ تھا
ممکن نہ ہو سکا، گلِ انجیر دیکھنا

جنّت کبھی تھا آج جہنم سے کم نہیں
کس کو پسند آئے گا کشمیر دیکھنا

پھولو پھلو دعائیں ملی تھیں بروزِ عقد
ہر سال ان کی گود میں تاثیر دیکھنا

میرے گلے میں طوقِ غریبی رہے تو کیا
پہلے گلے کی اپنی تو زنجیر دیکھنا

یوں جھوٹے جھوٹے وعدے نہ تقریریں کرو
نیتاؤ سنہ میں ہو گی لو اسیر دیکھنا

چھپ جاؤ سرقہ کرکے ہی اخبار میں رحیم
پھر کیسی اپنی ہوتی ہے تشہیر دیکھنا

کہتا ہوں امّی ساس کو ابّا خسر کو مَیں
پھر کیوں نہ جانوں اپنا ہی گھر اُن کے گھر کو مَیں

تنہا ہے میرا دل تو جڑا دو کسی کا دل
کہہ دوں گا دل کی بات کسی ڈاکٹر کو مَیں

اپنی مکان والی کا اپنا وقار ہے
کیسے محل کہوں گا نہ اپنے کھنڈر کو مَیں

مِل جائے مجھ کو چانس جو ہیرو کا دوستو
پَل میں پچھاڑ ڈالوں گا شیر و ببر کو مَیں

اُٹھ جائے میری لاٹری، قسمت سے دیکھنا
چندہ بھی دوں گا ایک دن اللہ کے گھر کو مَیں

تُو یا کوئی رقیب کا بچّہ دکھائی دے
تکتا ہوں صبح و شام تری رہ گزر کو مَیں

تربیت ہی پالے پڑ گئی میرے نہ ہے نصیب
پہلے ادا سمجھتا تھا ترچھی نظر کو مَیں

اونچی اُڑان اتنی گرانی کی ہو گئی
اک دن ضرور جاؤں گا شمس و قمر کو مَیں

فیشن سے ان کے دھوکا ہوا ہے مجھے رحیم
مادہ سمجھ کے چھیڑنے والا تھا نر کو مَیں

دوسہ، وڈا نہ اِڈلی نہ سامبر تلاش کر
جس پہ چکن مٹن ہو وہ دستر تلاش کر

دلبر کو باندھ لائے جو نامے کے ساتھ ساتھ
گر ہو سکے تو ایسا کبوتر تلاش کر

جو ہیں قصور وار اُنہیں چھوٹ دے کے رکھ
جو بے قصور ہیں اُنہیں گھر گھر تلاش کر

کوڑی کے چار دیش میں لیڈر ہیں آج کل
لاکھوں میں ایک ہو جو وہ لیڈر تلاش کر

انسان سے زیادہ ہی دے گا کما کے وہ
جو ڈُگڈگی پہ ناچے وہ بندر تلاش کر

کھچ کر حسین سارے چلے آئیں تیرے پاس
رجنیش جی میں ہے جو وہ منتر تلاش کر

ابنِ صفی "کا بنتا ہے" عمران اگر تجھے
دانتوں کے واسطے کئی گاجر تلاش کر

کب تک تو پوسٹر پہ نگاہیں جمائے گا
اے دوست جیتے جاگتے پیکر تلاش کر

نفرت کی آگ تو نے لگا دی تو ہے رحیم
جلتے گھروں میں اپنا ہی تو گھر تلاش کر

کون ہٹلر آگیا ہے شہر میں
خونِ ناحق بہہ رہا ہے شہر میں

ساری جنتا کے محافظ سو رہے
دن دہاڑے گھر لُٹا ہے شہر میں

مُنہ ہی تکتی رہ گئی موسیٰ ندی
خوں کا وہ دریا بہا ہے شہر میں

شاعروں پر لازمی ہے کنٹرول
یہ بھی کنبہ بڑھ گیا ہے شہر میں

بلبلا کر کہہ رہے تھے شیخ جی!
آدمی ایک بُلبلا ہے شہر میں

ایک شاعر ہوں کوئی مجرم نہیں
کیوں مرا ہی تذکرہ ہے شہر میں

شاعروں میں چاپلوسی عام ہے
یہ مرض پھیلا ہوا ہے شہر میں

رونق دھونی محفلیں تھیں شہر کی
رنگ یہ ہم سے جما ہے شہر میں

پیکرِ طنز و تبسّم ہے رحیم
یہ نہ کہئے مسخرا ہے شہر میں

یہ زبانی دل دہی تقریر ہی تقریر ہے
مسئلہ اردو کا جیسے قضیۂ کشمیر ہے

کہنے کو آزاد ہیں ہم، پاؤں میں زنجیر ہے
کس قدر روشن ہمارے خواب کی تعبیر ہے

گود میں بچے کبھی تو، ہاتھ میں کفگیر ہے
ہر کسی شادی شدہ کی بس یہی تقدیر ہے

کیوں نہ ہوں گے پیار کے چرچے ہمارے چارسُو
میں جو ہوں سڑکوں کا رانجھا، ہر گلی کی ہیر ہے

میری محبوبہ کا شوہر ہوگیا ہے زن مرید
میرے دل کی بد دعا ہے آہ کی تاثیر ہے

بال لامبے، مونچھ غائب اور تھا میک اپ بہت
میں جسے تانیث سمجھا ہائے وہ تذکیر ہے

کوئی میری شاعری پر کیا کرے گا اعتراض
یہ تو میرے گھر کی کھیتی، باپ کی جاگیر ہے

پھانستا ہے شیخ یارو کمسن و للا چاد کو
جال ہے دولت کا اور وہ پکا ماہی گیر ہے

غم چھپانا بھی بڑا فن ہے یہاں پر لے رحیم
تو ہنسانے کو ہنساتا ہے مگر دل گیر ہے

قرض لے کر ادا نہیں کرتے
شاعر اس کے سوا نہیں کرتے

ہم کسی کا بھلا نہیں کرتے
کام بے فائدہ نہیں کرتے

ایک شادی پہ اکتفا کر لو
یہ خطا بارہا نہیں کرتے

لاکھ وعدہ کریں گے وہ ہم سے
کوئی وعدہ وفا نہیں کرتے

سوکھے پیڑوں کی طرح یہ لیڈر
ہم پہ سایہ ذرا نہیں کرتے

آسماں کو زمین لکھتے ہیں
لوگ جدّت میں کیا نہیں کرتے

پیروی کیا کریں گے غالبؔ کی
مفت کی جب پیا نہیں کرتے

اُن کو شاعر نہیں کہوں گا مَیں
جو کسی سے جلا نہیں کرتے

بال بلّی کے مونڈھتے ہیں رحیمؔ
لوگ فرقت میں کیا نہیں کرتے

بھوک سستی، مہنگا پانی ہے ہمارے شہر میں
پھر بھی ہر سو باغبانی ہے ہمارے شہر میں

دیکھتے، سُنتے نہیں اور کچھ سمجھتے بھی نہیں
ان بُتوں کی حکمرانی ہے ہمارے شہر میں

اپنے کلچر کو مٹانے کوششیں ہر سو ہیں آج
دم غنیمت شیروانی ہے ہمارے شہر میں

قتل، چوری اور ڈکیتی روز ہڑتالیں فساد
لڑکھڑاتی زندگانی ہے ہمارے شہر میں

تھیٹریں سب ہاؤس فل ہیں، بھر گیا ہے ریس کورس
کون کہتا ہے گرانی ہے ہمارے شہر میں

شاعروں کو "ہوٹنگ" ملتی ہے یہاں بے انتہا
بس یہی تو قدر دانی ہے ہمارے شہر میں

ایک چھوٹا موٹا شاعر جس کو کہتے ہیں رحیم
اس کی صورت جانی مانی ہے ہمارے شہر میں



بے سروں کو نہیں معلوم کہ سرگم کیا ہے
شعر کا رنگ ترنم سے دوبالا ..... ہوگا
میری آواز سے جلتے ہیں تو جلنے دو انھیں
اُن کے جلنے سے مرے فن میں اُجالا ہوگا

بگلا بھگت ہی آج کے لیڈر ہیں سب کے سب
ویسے بہت خلوص کے پیکر ہیں سب کے سب

داماد، بیٹے اور بھتیجے وزیر... کے
اس دورِ بے کسی میں تونگر ہیں سب کے سب

جتنے گروپ باز ہیں لیڈر وہ اصل میں
شعر و ادب کی راہ میں پتھر ہیں سب کے سب

کیسے کہوں کہ دیس میں ہے بھائی چارہ عام
آنکھوں میں میری خون کے منظر ہیں سب کے سب

مہنگی ہوئی پڑھائی ڈونیشن کا دور ہے
بچّے مرے اسی لیے گھر پہ ہیں سب کے سب

زُلفیں گھٹائیں اُن کی ہیں رنگِ خضاب سے
اصلی سفید بال مرے سر ہیں سب کے سب

ٹی وی ہوا جو عام تو محسوس یہ ہوا
اب گھر نہیں ہیں دوستو تھیٹر ہیں سب کے سب

کرکٹ کا ہے بخار مرے شہر میں ہنوز
بچّے بھی میرے دیکھئے اظہرؔ ہیں سب کے سب

طنازِ وقت کیوں نہ کہیں اس کو دوستو!
اشعار جب رحیمؔ کے نشتر ہیں سب کے سب

ہم کو مہنگی پڑی دوستی آپ کی
کیوں کہ سُننی پڑی شاعری آپ کی

گھر میں ہے کام دفتر میں آرام ہے
ایک منصب ہوئی نوکری آپ کی

میرے آگے غزل میری کہتے ہیں آپ
یہ سراسر ہے داداگری آپ کی!

اہلِ جدّت سے پوچھیں ذرا اہلِ فن
نثر ہے یہ کہ ہے شاعری آپ کی

اب ترنّم کی کوشش نہ فرمائیے
بے سُری ہوگئی بانسری آپ کی

جشن میرا مرے مال سے کیجئے
مجھ پہ ہوگی عنایت بڑی آپ کی

دیکھ کر مجھ کو کہنے لگا میزباں
مُرغ میرا ہے اور گلتی آپ کی

ذم کا پہلو بھی اس میں نکل آئے گا
کیا لگا رکھّی ہے "آپ کی" آپ کی

چاپلوسی کریں داعیوں کی رحیم
کام آئے گی چمچہ گری آپ کی

فائدہ مند ہے لیڈری آپ کی
آج بلڈنگ ہے جھونپڑی آپ کی

قرض مانگا تو سب منہ چھپانے لگے
دیکھ لی دوستو دوستی آپ کی

ہر قدم پر خبردار مجھ کو کیا
رہنما بن گئی دشمنی آپ کی

آپ کا مرغ کھاتے ہی نیند اڑگئی
"یاد ہم کو ستاتی رہی آپ کی"

نام اخبار میں آگیا آپ کا
اور گلی میں ہوئی سنچری آپ کی

اس کو ملنی تھی کرسی ملی آپ سے
بات کیوں کر سنے منتری آپ کی

سیکھئے طنز کا بھی سلیقہ رحیم
دل دکھانے لگی دل لگی آپ کی



لوگ کہتے ہیں یہ مجھ سے چھوڑ دو اب شاعری
کیسے چھوڑوں مفلسی مجھ کو وراثت میں ملی
لوگ میرے نام کے آگے غریبی کے سبب
مع محل لکھتے نہیں ہیں لکھتے ہیں "مع جھونپڑی"

عطا جو مجھ کو ذرا سا خضاب ہو جائے
پلٹ کے میری ضعیفی شباب ہو جائے

جو جنسیات شریکِ نصاب ہو جائے
ہر ایک بوائے فرینڈ کامیاب ہو جائے

خدانخواستہ وہ بے نقاب ہو جائے
تو زندگانی ہماری عذاب ہو جائے

وہ مستِ خواب جو مستِ شراب ہو جائے
دعائے وصل مری مستجاب ہو جائے

عدو سے آپ ذرا سوچ کر مِلا کیجئے
کہیں نہ جل کے مرا دِل کباب ہو جائے

کرو نہ اِتنا تکبّر جمال پر اپنے
ملو گی ہاتھ جو رخصت شباب ہو جائے

جو ایک بار بھی تم خواب میں نظر آؤ
تمام عمر وہ محرومِ خواب ہو جائے

ملے گی سیٹ الیکشن میں آپ کو اِک دن
اگر یہ چمچہ گری کامیاب ہو جائے

مچائے دھوم ہر اک محفلِ سخن میں رحیم
کلام ایسا اگر دستیاب ہو جائے

غزلوں کو اپنی گا کے سُناتے رہیں گے ہم
اپنے گلے کی داد بھی پاتے رہیں گے ہم

لت پڑ گئی ہے ہم کو ترنّم کی دوستو
سارے پڑوسیوں کو جگاتے رہیں گے ہم

ناگن عجب نہیں، ہو کسی بھینس میں نہاں
بھینسوں کے آگے بین بجاتے رہیں گے ہم

گھاٹا بجٹ میں ہے تو گرانی بڑھایئے
سرکار کا ہے قرض چکاتے رہیں گے ہم

جدّت کی کھاد فکر کو ہو جائے گر نصیب
کھیتوں میں آفتاب اُگاتے رہیں گے ہم

ہوتا ہے جس میں صرف کروڑوں کا ہیر پھیر
ایسے مجسموں کو بٹھاتے رہیں گے ہم

پہلی کے روز، روٹھنا، تم کو ضرور ہے
تنخواہ دے کے اپنی مناتے رہیں گے ہم

سڑکوں پہ تو جگہ جگہ پولس کی دھوم ہے
گھر میں کٹھارا اپنی چلاتے رہیں گے ہم

اندھوں میں کانا راجہ بنیں گے رحیم اب
افلاسیوں میں دال گلاتے رہیں گے ہم

رہنے دو میرے پاس جو رشوت کا مال ہے
مجبور کو حرام سُنا ہے حلال ہے

حُلیہ بگاڑ رکھا ہے بیگم کا عمر نے
"پونم" تھی پہلے اب تو فریدہ جلال ہے

پُتلا بنایا اس میں بھی کچھ گول مال تھا
پتلا گرایا اس میں بھی کچھ گول مال ہے

دشنام دو طرف سے ہے فرمائشوں کے ساتھ
دو بیویوں کے بیچ میں جینا وبال ہے

شاگرد نے پڑھی ہے جو استاد کی غزل
اس کا یہ کارنامہ فقید المثال ہے

گنجہ ہی تو بنا دے خدایا مجھے کہ اب
قرضہ میں ڈوبا آج مرا بال بال ہے

کھاتے ہیں ہم کسی کا تو گاتے ہیں اور کی
داد کے نام فاتحہ، نانا کا مال ہے

مسجد گیا تھا مار کے لایا ہوں دوستو
جوتا یہ میرے پیر میں چوری کا مال ہے

مجھ میں اور اس میں فرق بس اتنا ہے اے رحیم
چنار[1] سال میں ہوں وہ پدار[2] سال ہے

[1]،[2] آم کی قسمیں

کھا کے جو چھید بھی کرتے ہیں اسی برتن میں
آج لیڈر سبھی اُستاد ہیں اپنے فن میں

عیب کتنے ہی اگرچہ ہوں کسی دُلہن میں
سارے چُھپ جاتے ہیں پیسوں کی چھنا چھن چھن میں

مُفلسو! آؤ مرے گھر ہے تمھاری دعوت
"چاندنی دودھ سی چٹکی ہے مرے آنگن میں"

قلّتِ آب سے گھبرا کے یہ جی کہتا ہے
لے کے بن باس چلا جاؤں کسی بھی بن میں

سارے مرشد تو اُڑاتے رہے مرغ و ماہی
ہیں مرید آج پریشان فقط کھُرچن میں

صاف کپڑے بھی دھلاتے ہیں خُدا جانے وہ کیوں
کچھ نہ کچھ بات نظر آتی ہے اس دھوبن میں

مسئلہ اُردو کا اب صرف سیاسی ہے رحیم
فرق مشکل ہے یہاں دوست میں اور دشمن میں



تاکتے جھانکتے بوڑھے نہیں اچھے لگتے
ہنس کی چال میں کوّے نہیں اچھے لگتے
مُفلسی میں کبھی آٹا نہیں کرنا گیلا
ہاں! ضعیفی میں یہ نخرے نہیں اچھے لگتے

باپ کی مانی نہ تھی اور گھر سے بے گھر ہو گئے
ہم کسی کی چاہ میں جنگلی کبوتر ہو گئے

بن بلائے اس قدر مہمان گھر بھر ہو گئے
سارے گھر والے ہمارے گھر کے باہر ہو گئے

ہم نے سب کچھ سیکھ کے پایا نہ اب تک روزگار
جن کو کچھ آتا نہ تھا وہ تو منسٹر ہو گئے

چومتے ہیں گود میں لے کر وہ پاکٹ ڈاگ کو
کیا نظر میں اُن کی ہم اس سے بھی بدتر ہو گئے

مونچھ داڑھی چٹ ہوئی اور زلف ہے شانوں کے گرد
آج کل لڑکے بھی لڑکی کے برابر ہو گئے

جیب کتری پر گزارا ہو رہا ہے آج کل
کیا کریں حالات ہی کچھ بد سے بدتر ہو گئے

پہلے پہلے جو رہا کرتے تھے بس اسٹانڈ پر
رفتہ رفتہ وہ ہمارے گھر کے اندر ہو گئے

جب سے ہیرو کار پیچھے آ گئے اسٹیج پر
شاعری میں ہم نہ ہونے کے برابر ہو گئے

خون پی پی کر ملاوٹ کی غذا کا اے رحیم
سب رفو چکّر ہمارے گھر کے مچھّر ہو گئے

عاشقی کے سینکڑوں احسان ہم پہ ہو گئے
مفلس و ناچار پہلے ہی تھے بے گھر ہو گئے

باپ کی جاگیر تھی ، جاہل منسٹر ہو گئے
بی اے ، ایم اے کر کے ہم ان کے اٹنڈر ہو گئے

مل گئی ان کو وزارت چڑھ گیا ان کا دماغ
وہ مقدّر سے "مقدّر کا سکندر" ہو گئے

سینہ و بازو ، سرین و ساق پر رکھیئے نظر
تنگ پوشی میں جو یہ جامہ سے باہر ہو گئے

جب سے بیٹھے ہیں وزارت پر کسی کے رشتہ دار
کچھ کمشنر، کچھ کلکٹر، کچھ تو نگر ہو گئے

فرق اب گھوڑے گدھے میں غیر ممکن ہو گیا
اتحادِ باہمی سے دونوں خچّر ہو گئے

دوستوں میں اینٹھتے پھرتے ہیں لقّہ کی طرح
دیکھتے ہی ان کو ہم نوٹن کبوتر ہو گئے

آج تو گھر گھر میں ٹی وی ہے خدا کے فضل سے
رفتہ رفتہ گھر ہمارے منی تھیٹر ہو گئے

نرم خوئی سے تمھاری اے رحیم خستہ حال
جو ستم پرور تھے پہلے اب ستم گر ہو گئے

حُسن والوں سے مری عرض ہے ایسا نہ کریں
نامہ بر نر کو بنانے کا تقاضا نہ کریں

مادہ مل جائے تو چٹھی نہیں پہنچائے گا
بھول کر آپ کبوتر پہ بھروسا نہ کریں

دوڑ کر آئیں گے اطراف سے سارے عاشق
دیکھئے ترچھی نگاہوں سے اشارا نہ کریں

جو غزل دیکھ کے کاغذ پہ نہیں پڑھ سکتا
ایسے شاعر کو تو محفل میں بلایا نہ کریں

واقعہ اصل میں کچھ اور ہوا کرتا ہے
آپ اخبار کی سرخی پہ بھروسا نہ کریں

میں ضعیفی میں جوانی کی غزل گاؤں گا
کہہ کے بوڑھا مجھے فی الواقعی بوڑھا نہ کریں

آپ لیڈر ہیں ہمیں آپ کے وعدے معلوم
بے وقوف اور بنانے کا اعادہ نہ کریں

آپ یوں اشک بہائیں نہ مگرمچھ کی طرح
مچھلیاں کھا کے سمندر کو بھی رسوا نہ کریں

اے رحیم آپ کو اپنے سے ندامت ہوگی
اپنی تصویر مرے شعر میں دیکھا نہ کریں

ارماں مرے دل کے نکلنے نہیں دیتے
وہ دال مرے عشق کی گلنے نہیں دیتے

ہر روز کیا کرتے ہیں وہ اک نیا وعدہ
عشاق کو ہاتھوں سے نکلنے نہیں دیتے

راتوں کو بھی غازہ سے چمکتا ہے وہ چہرہ
سورج وہ کبھی حُسن کا ڈھلنے نہیں دیتے

ہر روز وہ ہر عہد سے پھر جاتے ہیں لیکن
پہلی کے مرے وعدے کو ٹلنے نہیں دیتے

رُخسار کے شعلے ہوں کہ ہونٹوں کی تپش ہو
پروانوں کو اس آگ میں جلنے نہیں دیتے

مطلب پہ جو آجاؤں بدل دیتے ہیں عنواں
وہ راز محبت کا اُگلنے نہیں دیتے

کہنے کی ہے آزادی، مگر بات یہ سچ ہے
اوروں کی کوئی بات وہ چلنے نہیں دیتے

دفتر میں بھی کچھ حسنِ مُہتاں ہے مرے آگے
آفت سے مری جان نکلنے نہیں دیتے

کچھ سوچ رحیم اب تو رعایا ہے کہ راعیٔ
وہ کون ہیں جو پھولنے پھلنے نہیں دیتے

ہر کوئی روتا ہوا پیدا ہوا
ہے ہمارے دم سے وہ ہنستا ہوا

جس گھڑی سے ان کا ہیں نوشا ہوا
ہوں پتنگ اک تار میں لپٹا ہوا

اے مرے معبود! مجھ کو بخش دے
لوگ کہتے ہیں مجھے بُخشا ہوا

شعر اُستادوں کے ہیں دیوان میں
"مستند ہے میرا فرمایا ہوا"

پوچھتے ہیں شیخ صاحب کان میں
"اِس جگہ اک میکدہ تھا کیا ہوا"

یوں پرکھتے ہیں مجھے وُوڈ بی خسر
جیسے قربانی کا میں بکرا ہوا

جب سے قلّت ہوگئی پیٹرول کی
میری موپیڈ کا ہے مُنہ لٹکا ہوا

مجھ کو نقادِ سُخن کا دو خطاب
کیوں کہ میں شاعر ہوں اِک بگڑا ہوا

مَیں نے لڑکی جان کر چھیڑا رحیم
اُس کے فیشن پر مجھے دھوکا ہوا

یا رب بتوں سے حسن کا عالم گزار دے
ہم کو بھی کچھ سکون انھیں بھی قرار دے

جوڑے کے پیسے کوئی مجھے دس ہزار دے
اپنا سہاگ اور مری بگڑی سنوار دے

دو پھوٹی کوڑیاں بھی نہ جائیں گی جیب سے
"دونوں جہاں اُن کی محبت میں داد" دے

دیکھا جو اُن کو پیار سے، وہ کوسنے لگے
"آشوبِ چشم آپ کو پروردگار دے"

دنیا میں سچا دوست اُسے جانتا ہوں میں
واپس کبھی نہ مانگے جو مجھ کو اُدھار دے

میں بھی بنالوں شہر میں دو چار تھیٹریں
ہیروں کا ہار تو مجھے جوے میں ہار دے

ملنا گلے تو سوچ کے ملنا رحیم سے
ایسا نہ ہو کہ وہ تری پاکٹ ہی مار دے



اُردو والو ایک دھوکا اور کھا لینا ذرا
پھر حکومت اک نیا اعلان فرمانے کو ہے
انتظارِ وقت کرنا ہے ہمیں کب تک یونہی
صبر کا یہ پھل ہمارا اب تو سڑ جانے کو ہے

جب بہو ہے چڑچڑی تو سر پھرا داماد ہے
جیسی قسمت کے ہیں ہم تم ویسی ہی اولاد ہے

زندہ درگورِ وفا ہے جو بھی گھر داماد ہے
صید کا وہ صید ہے صیاد کا صیاد ہے

شاعری بے وزن ہے، بے قافیہ ہے بے ردیف
جھٹ سے وہ کہنے لگے یہ تو نئی ایجاد ہے

چار بیگم آٹھ لڑکے اور ہیں چھ لڑکیاں
مختصر سے خانداں کی مختصر تعداد ہے

اب ہو گیا تعلیم کا معیار اپنے ملک میں
اونگھتے شاگرد ہیں تو نیند میں استاد ہے

گانے گانے کا ہوا ہے شوق جب اولاد کو
ہے رفیع ان میں کوئی تو دوسری شمشاد ہے

ہونٹ موٹے رنگ کالا، بال مینڈھے کی طرح
آخری بیگم ہماری ہو بہو جلاد ہے

کر کے شادی پھنس گئے ہم جال میں افلاس کے
چیختے پھرتے ہیں اب فریاد ہے فریاد ہے

ہر کسی سے سوچ کر ملنا زمانے میں رحیم
آدمی اس دور کا مجموعۂ اضداد ہے

جادوئے صدائے زر کا یہاں ایسا چل گیا
مردہ کفن کو پھاڑ کے باہر نکل گیا

باقی رہے تھے صدر بس اک معتمد کے ساتھ
شاعر ہر ایک پڑھ کے جو اپنی غزل گیا

اندھے فقیر سے تو دُعائیں ہزار لیں
خوش ہوں کہ کھوٹا سکہ بہر حال چل گیا

لایا تھا وہ رقیب کو تھیٹر میں اپنے ساتھ
معشوق میرے سینے پہ یوں مونگ دل گیا

غیبت سے اس کی فائدہ اس کو ہوا کہ یوں
جتنا تھا دل میں زہر وہ سارا اُگل گیا

پچھلا برس تو اب کے برس کا حریف تھا
سارے برس کی دُھول مرے منہ پہ مل گیا

مل کر گلے وہ جیب بچا لے گیا رحیم
موقع حسین ہاتھ سے میرے نکل گیا



ہر بات کو ہر عورت بڑھ چڑھ کے بتا دے گی
ہاں عمر اگر پوچھو یکلخت گھٹا دے گی
تم دے کے قسم اس کو جب راز بتا دو گے
عورت کی یہ فطرت ہے وہ سب کو پتہ دے گی

بھائیوں کی جنگ کو ایسے ہوا دینے لگے
گورے بندر بلّیوں کا فیصلہ دینے لگے

خون کے دریا بہائے آگ کی برسات کی
قاتلوں کے حق میں پھر بھی سب دُعا دینے لگے

ہم کو بیماری نے آدھا ڈاکٹر کر ہی دیا
اب تو ہم اپنے مریضوں کو دوا دینے لگے

چہرہ بیگم کا ہمیں غصّے میں جب اچھا لگا
جھڑکیاں سُن سُن کے اُن کی سر جھکا دینے لگے

عشق بازی میں نکمّے کب ہوئے ہیں دوستو
ہر کسی کو اُن کے گھر کا ہم پتہ دینے لگے

عقلمندی ہم نے کی پیدا کئے بچّے بہت
گھوڑے جوڑے میں بکے اور فائدہ دینے لگے

پوسٹ اچھا مل گیا ، مایا کا سارا کھیل ہے
جائزہ لینے سے پہلے جائزہ دینے لگے

قرض لے کر مجھ سے وہ چھُپتے رہے برسا برس
دوستی کو گویا لمبا سلسلہ دینے لگے

صبح کی ورزش کو دیکھا جب سے ٹی وی پر رحیم
کپڑے کم کرنے کا ان کو مشورہ دینے لگے

جو ہو سکے تو پلا دیجیے اُدھار مجھے
کہ نقد پیسوں سے آتا نہیں خمار مجھے

نہ اُتری حلق سے بھی آ گیا خمار مجھے
دکھائی دیتے ہیں اک اک کے چار چار مجھے

ہے میرا عشق بھی مجنوں کے عشق کی توسیع
اُدھر بخار اُسے ہے، اِدھر بخار مجھے

وظیفہ پڑھ کے میں چندے وصول کرتا ہوں
پکارتے ہیں سبھی اب "وظیفہ خوار" مجھے

میں داعیان کو پیسے تو دے کے آیا تھا
اُٹھا نہ جلسے میں پہنانے کوئی ہار مجھے

جسے بھی دیکھیے بس گھورتا ہے حیرت سے
بنا دیا تو نہیں اُس نے اشتہار مجھے

بنا رہا ہوں میں جس شخص کی بھی بیساکھی
وہ شخص کہتا ہے اب پانچواں سوار مجھے

تھا ڈاکٹر ہی مرا چڑچڑا میں کیا کرتا
نکالا دانت مرا جب کہ تھا بخار مجھے

میں ناقدین کے نرغے میں پھنس گیا ہوں رحیم
دکھائی دیتی نہیں لسپے رہِ فرار مجھے

مصیبت میں بھی جو سسرال کو جایا نہیں کرتے
وہ احمق ہیں جو مالِ مفت بھی کھایا نہیں کرتے

ہمارے دیش کے لیڈر بڑے خود دار ہیں یارو
الیکشن کے دنوں سے ہٹ کے وہ آیا نہیں کرتے

غزل کہتے ہیں محنت سے چھپاتے ہیں سلیقے سے
برائے چاپلوسی بزم میں گایا نہیں کرتے

کبھی تو مُنہ سے پھوٹو، کچھ تو بولو، کیسی خاموشی
جو غم کھاتے ہیں، کیا وہ گالیاں کھایا نہیں کرتے

دیا کرتی ہے بیگم سالِ نَو پر اک نیا تحفہ
وہ شرماتی نہیں ہے، ہم بھی گھبرایا نہیں کرتے

ہم اپنی شاعری میں مال اوروں کا گلاتے ہیں
سب اک حمام کے ننگے ہیں شرمایا نہیں کرتے

پڑوسی کی اگر مرغی نظر آئے تو کھا جائیں
عمل جو ہم کیا کرتے ہیں ہم سایا نہیں کرتے

بہن کے گھر نہ جانا چاہیئے تلاش حالت میں
جھگڑ کر باپ سے سسرال کو جایا نہیں کرتے

چرا کر شان سے پڑھنا تو ہمت ہے رحیم اپنی
کسی سے مانگ کر کوئی غزل گایا نہیں کرتے

چلا کر تیرِ مژگاں یوں وہ گھبرایا نہیں کرتے
جو مرتے ہیں حسینوں پر وہ مرجایا نہیں کرتے

بھروسے پر کسی لیڈر کے رہنا اک حماقت ہے
یہ سوکھے پیڑ ہیں یارو کبھی سایہ نہیں کرتے

حسینوں کو نہ گھورو شیخ جی پلکیں تو جھکاؤ
ضعیفی میں تو اتنی رال ٹپکایا نہیں کرتے

جناب شیخ ستر سال میں کرتے ہو کیوں شادی
نہیں ہیں دانت تو پھر گوشت بھی کھایا نہیں کرتے

انھیں مہمان کہیئے، اہلِ خانہ کہیئے، کیا کہیئے؟
جو آجاتے ہیں اک دن آٹھ دن جایا نہیں کرتے

سنا کرتے ہیں رونا اور گانا سب کو آتا ہے
سدا رویا تو کرتے ہیں کبھی گایا نہیں کرتے

تمھارے چیخنے چلّاتے کا ہو کیا اثر مجھ پر
گرجتے ہیں جو بادل مینہ وہ برسایا نہیں کرتے

غریبوں کا بہا کر خون ہمدردی جتاتے ہو
کھلونے ہاتھ میں دے دے کے بہلایا نہیں کرتے

رحیم اب کوستا کیوں ہے تری قسمت ہی کھوٹی تھی
جو قسمت میں لکھا ہے اس پہ پچھتایا نہیں کرتے

دیتے ہیں فریب اکثر اُردو کے سوالوں پر
وہ مرچ لگاتے ہیں رِستے ہوئے چھالوں پر

کیوں پیچ نہ ہم کھائیں پیچیدہ سوالوں پر
جب گوشت بھی ہو مہنگا اور ٹیکس ہو دالوں پر

چاندی ہے جو بالوں میں جالے بھی ہیں گالوں پر
یہ تلخ حقیقت ہے روٹھو نہ مثالوں پر

غالبؔ کا کبھی گھر تھا اب ٹال ہے لکڑی کی
افسوس ہے اُردو کے سب چاہنے والوں پر

وِگ اُڑتے ہی بیگم کی بس ہوش اُڑے میرے
وارفتہ ہوا تھا میں جن ریشمی بالوں پر

ہو بھوک اگر مجھ کو کھاتا ہوں غزل اپنی
رہتا ہوں رسالوں میں جیتا ہوں رسالوں پر

ماں باپ بہن بھائی کھائیں تو ہوا کھائیں
بیگم سے جو بچتا ہے لُٹ جاتا ہے سالوں پر

ہم دیکھ کے سالی کو دَم مار نہیں سکتے
تنقید ہے آہوں پر، تحدید ہے نالوں پر

دیکھو تو رحیم اتنا لنگڑی تو نہیں لڑکی
دھوکے میں نہ آجاؤ ان ڈولتی چالوں پر

محفل میں جس جگہ بھی مرا تذکرہ ہوا
دیکھا ہر ایک شخص کا منہ تھا پھلا ہوا

اُردو کے واسطے نہ کیا اس نے کچھ کبھی
اُردو کے نام سے ہے گھر اُس کا بھرا ہوا

غربت کدے کا حشر تو ہونا تھا بس یہی
لوگوں کے آنے جانے سے اک راستہ ہوا

مل تو نہیں گئی کوئی دوکانِ شاعری
پھرتا ہے جو اکڑ کے وہ شاعر بنا ہوا

ہر سمت قتل عام ہے اور شہرِ قتل گاہ
حاکم ہے شاہراہ پر گم صم کھڑا ہوا

نوشہ بنا کے چھوڑا مرے دشمنوں نے اب
پھرتا ہوں اس کے ساتھ میں نوشہ بنا ہوا

میرے ہی منہ پہ میری غزل وہ سنا گیا
ایسا بھی میرے ساتھ یہاں حادثہ ہوا

میں بے حسی کے شہر میں رہتا ہوں اس طرح
ساگر کنارے جیسے ہو پتلا کھڑا ہوا

رہنے دو یوں ہی ہنستا ہنساتا رحیم کو
چھیڑو نہ اس کو دوستو دل ہے دکھا ہوا

ہمارے دیش کی بڑھتی گرانی دیکھتے جاؤ
ہوا کرتا ہے کیسے دودھ پانی دیکھتے جاؤ

اِدھر بوسیدہ میری شیروانی دیکھتے جاؤ
اُدھر مسرور ہے زیور میں رانی دیکھتے جاؤ

خفا ہو کر بگڑ کر کس لیے جاتے ہو میکے کو
ذرا ٹھہرو، ہمارا عقد ثانی دیکھتے جاؤ

ہے ستّر سال کا دولہا تو سترہ سال کی دُلہن
ہمارے شیخ کی کڑیل جوانی دیکھتے جاؤ

یہاں مُفلس کے رہنے کو نہیں اک جھونپڑی یارو
دلہن بنتی ہے اپنی راج دھانی دیکھتے جاؤ

پھنسا کر جال میں رکھتے ہیں وہ داماد کو گھر میں
ہر اک سسرال کی ریشہ دوانی دیکھتے جاؤ

ہوا ہے جب سے یرقان عشق کا ہم پڑ گئے پیلے
ہیں خونیں اشک بھی اب زعفرانی دیکھتے جاؤ

وہ آئیں اور آ کر لے گئیں کوٹے کا پرمٹ بھی
نئے عنواں کی رشوت ستانی دیکھتے جاؤ

رحیم خستہ جاں کا فوٹو اسٹیٹ گھور کر دیکھو
یہ صورت آپ کی ہے جانی مانی دیکھتے جاؤ

ترنّم میں گوّیے کی طرح سے تان پیدا کر
نئے انداز سے شعروں میں اپنے جان پیدا کر

اگر تو کانا راجہ ہے تو اندھوں کا بنا حلقہ
تو اپنی شاعری کے واسطے میدان پیدا کر

اگر مشہور ہونا ہے تو اپنی جیب کر خالی
کہیں سے غیر مطبوعہ کوئی دیوان پیدا کر

رکھا اپنے ہاتھ میں پتّے، شراب و جام جو سر بھی
"مرے ہمدم! سفر کے واسطے سامان پیدا کر"

ہتھیلی میں دکھا جنّت مریدوں کو ہی اے مرشد
حقیقت میں ہے دانا تو کوئی نادان پیدا کر

اگر پی ایچ ڈی کرنی ہو تو اچھے گائیڈ کو چن لے
ادب میں ڈگری لے کر اِک نیا ہیجان پیدا کر

ہماری شاعری کو جانچنا ہی ہے اگر ناقد
تو سدھ بدھ شاعری کی شعر کی پہچان پیدا کر

جو کہلانا ہو شاعر تو نہ کہہ اشعار ناموزوں
کم از کم شاعری میں وزن کی تو جان پیدا کر

رحیم آلام کا حدِ نظر تک اک سمندر ہے
ہو ممکن تو خوشی کا اس میں اک طوفان پیدا کر

پڑا ہوا ہوں میں سسرال میں خسر کی طرح
مرا یہ عیب بھی اب بن گیا ہنر کی طرح

ہمارے دیش کے لیڈر بھی خوب لیڈر ہیں
ثمر وہ دیتے ہیں بس موسمی ثمر کی طرح

ہیں ان کے وعدے لکیریں ہوں جیسے پانی پر
بہا رہے ہیں وہ آنسو مگر، مگر کی طرح

نہ کوئی چھت، نہ ہی دیوار اور نہ دروازہ
کوئی بھی گھر نہیں ہوگا، ہمارے گھر کی طرح

میں پھولتا ہوں جو پہلی سے پندرہ دن تک
کہ ایک حال پہ رہتا نہیں قمر کی طرح

جو ایک بار پھنسے پھر ابھر نہیں سکتا
یہ عقد بھی ہے خطرناک اِک بھنور کی طرح

مجھے لباس جو مل جائے ڈاک خانے سے
میں ان کو دیکھ کے آؤں گا نامہ بر کی طرح

نمائش اپنے خد و خال کی وہ کرتے ہیں
چھپا کے رکھتے نہیں ہیں وہ کم نظر کی طرح

میں بھیگی بلّی کی صورت ہوں اپنے گھر میں رحیم
چنگھاڑتا ہوں فقط کوچے میں ببّر کی طرح

بن گیا شاعر جو اختر اِن دنوں
بھاگتے ہیں لوگ ڈر کر اِن دنوں

خون سستا پانی مہنگا ہو گیا
لڑ رہا ہوں روز نل پر اِن دنوں

جاننا مشکل ہے فیشن کے طفیل
کون ماں ہے کون دختر اِن دنوں

پی کے مچھر کی دوا سو جائیں گے
چوستے ہیں خون مچھّر اِن دنوں

کون ہے اُردو کا مخلص آج کل
صرف وعدوں کا ہے چکّر اِن دنوں

دودھ میں پانی، بُرادہ مرچ میں
دال، چاول میں ہیں کنکر اِن دنوں

سڑکیں چوڑی ہو رہی ہیں اور لوگ
ہو رہے ہیں گھر سے بے گھر اِن دنوں

جو محافظ جان کے، عزت کے ہیں
لوٹتے ہیں وہ بھی چھپ کر اِن دنوں

ہو گیا ہے سب سے بے دل یہ رحیم
بن رہے ہیں شعر نشتر اِن دنوں

پھٹا بشرٹ کا دامن نہ آنسو دیدۂ تر میں
مگر سودا ہے حسن و عشق کا ہر ایک کے سر میں

مری قسمت کے چکر نے مجھے ڈالا ہے چکر میں
مقدر پر پڑے پتھر کہ پتھر دل ہے اب گھر میں

ملنساری، تحمل، خوف، خاموشی، وفاداری
یہ ساری عادتیں درکار ہیں ہر ایک شوہر میں

ہمارے لیڈروں کی بات کا کیا پوچھنا یارو!
جو ہیں تولہ گھڑی بھر میں تو ہیں ماشہ گھڑی بھر میں

میاں بیوی جو راضی ہوں تو آخر کیا کرے قاضی
عدالت میں کوئی شادی رچائے کوئی دفتر میں

ہمیں تو ساس کو اماں بنانا تک نہیں آیا
کئی سسرال ہیں رکھتے ہیں جو داماد کو گھر میں

اثر کیا خاک ہوگا سنگدل پر میری آہوں کا
مثل مشہور ہے لگتی نہیں ہے جونک پتھر میں

کنواری تھوڑی مدت بعد ہی ہو جائے گی بیوہ
جناب شیخ کی عمر مبارک ہے بہتر میں

یہاں بیگم کی چخ چخ ہے نہ شور و غل ہے بچوں کا
رحیم آرام کی ملتی ہے ہم کو نیند دفتر میں

یہ لیڈر مرے گھر جو آنے لگے ہیں
الیکشن کے شاید زمانے لگے ہیں

گرانی کا بھتہ ملا ہی نہیں تھا
کہ تاجر گرانی بڑھانے لگے ہیں

ہے شانوں پہ دو ناگ اٹھائے ہوئے چمن
بڑے قیمتی یہ خزانے لگے ہیں

میں ڈر کر نہیں مل رہا ہوں جو دن میں
وہ خوابوں میں آکر ستانے لگے ہیں

چلے جائیں گے ہم ہی محفل سے اُٹھ کر
ہماری غزل وہ سنانے لگے ہیں

ہماری بھی عادت بڑی بے سری ہے
ہیں دل گیر پھر بھی ہنسانے لگے ہیں

کھسک جاؤ اپنی اگر خیر چاہو
رحیم اب وہ پتھر اُٹھانے لگے ہیں

○

عاشق ہوں میں تو آپ کی آواز کا حضور
للّٰہ میرے فون کا نمبر نہ پوچھیے
اُن کے سیاہ چہرے کی یاد آ گئی رحیم
مجھ سے سہاگ رات کا منظر نہ پوچھیے

جائز ہے اپنے واسطے سب کا لیا دیا
"سرکار" نے مزاج ہی ایسا بنا دیا"

یہ بھی کمالِ فن ہے جو مصرع اڑا دیا
مصرع اک اور رکھ دیا مطلع بنا دیا

ہاتھوں سے اپنے اُڑ گئے طوطے شبِ عروس
گھونگھٹ جو اس کے چہرے سے ہم نے ہٹا دیا

شہرت کے آسمان سے گرنے سے بچ گئے
اُستاد نے ہمارا جو مصرع اُٹھا دیا

ہم اس کو قرض کس طرح سمجھیں گے دوستو!
اخلاص ہی تو ہوتا ہے احباب کا دیا

اک امتحاں ہے کہنا غزل وہ بھی فی البدیہہ
اب ریڈیو نے ایک نیا راستہ دیا

جدت میں شاعروں نے غلو کر دیا بہت
ہاتھی اُڑا دیا کبھی گھوڑا اُڑا دیا!

چندہ کا دھندہ زوروں پہ چلتا ہے آج کل
ہم نے بھی اپنے بیٹے کو مرشد بنا دیا

روتے ہوئے کسی کو بھی دیکھے گا کس طرح
موقع ملا رحیم کو اس نے ہنسا دیا!

قرض لیڈر کا پورا ادا کیجئے
پھر نیا کوئی فتنہ بپا کیجئے

شیخ صاحب! رچاتے ہو کیوں شادیاں
اب ضعیفی میں یادِ خدا کیجئے

مُنہ سے "چھکا" نکل کر نہ آئے کہیں
سوچ کر ان کے آگے ہنسا کیجئے

واہ وا پر ہی اکڑا نہ کیجئے حضور!
آپ ہوٹنگ بھی ہنس کر سہا کیجئے

وہسکی ٹھرا ملے، یا کہ سیندھی ملے
مفت میں جو ملے، پی لیا کیجئے

شاعری بٹ گئی ہو گروپوں میں جب
آپ ہنس کر ہر اک سے ملا کیجئے

ایک دن آئیں گے ہم رحیم اوج پر
آپ جلتے اگر ہیں جلا کیجئے



ملک میں جدھر دیکھو' خون کی روانی ہے
دیش ٹکڑے ہوجائے مفسدوں نے ٹھانی ہے

حُسن پہ بڑھاپا ہے، عشق پہ جوانی ہے
اس لیے مرے ہمدم میرا عقدِ ثانی ہے

ساتھ اس ستمگر کے زندگی بتانی ہے
جیب ہوگیا خالی پھر بھی آنا کانی ہے

آسماں کو چھُوتی آج کل گرانی ہے
گھر جنوائی بن جائیں دل میں ہم نے ٹھانی ہے

صبح میں ڈراتا ہوں، رات ان سے ڈرتا ہوں
دن کا ہوں میں راجہ تو رات کی وہ رانی ہے

عشق میں ہوں میں مجنوں حُسن میں ہے تُو لیلی
کون میرا ہم سر ہے کون تیرا ثانی ہے

کتنے اور بھی ہوں گے تجربے محبّت کے
میں کسی کا دادا ہوں، وہ کسی کی نانی ہے

خطبۂ نکاح ایسا پڑھ دیا ہے قاضی نے
رہن ہاتھ میں ان کے' میری زندگانی ہے

کون سی قباحت ہے اس گلی کے پھیروں میں
جب رحیم دنیا کی تم نے خاک چھانی ہے

جشنِ سالِ نَو منانا اب ضروری ہو گیا
رونے والوں کو ہنسانا اب ضروری ہو گیا

ساتھ لائی ہے وہ اپنے گھر سے لاکھوں کا جہیز
ناز بیگم کے اُٹھانا اب ضروری ہو گیا

یافت اپنی ہے بہت کم اور گرانی اَوج پر
اوپری بالائی کھانا اب ضروری ہو گیا

ناقدوں کو ساتھ لے کر پھر رہا ہوں ہر جگہ
دشمنوں سے دوستانہ اب ضروری ہو گیا

ہے ہمارے گھر کی کھیتی دوستو یہ شاعری
ناقدوں کو یہ بتانا اب ضروری ہو گیا

شاعری کا بھوت میرے سر پہ ہے ہر دم سوار
چل کے عامل کو بتانا اب ضروری ہو گیا

حُسن والے دیکھتے ہیں مسکرا کر اے رحیم
داغ چہرے کے چھپانا اب ضروری ہو گیا



جسم سے بھینس کی مانند نظر آتی ہیں
نام لیکن وہ بتاتی ہیں غزالہ اپنا
کم قدی کو تری شاید وہ چڑانے کو رحیم
لیے پھرتے ہیں چمن میں قدِ بالا اپنا

عجب آفت یہ مجھ پر آ پڑی ہے
مرے آگے مری بیگم کھڑی ہے

کوئی لاحول بھیجے دل ہی دل میں
کہ ٹل جائے نحوست کی گھڑی ہے

دِوالی بن گئی ہیں ساری راتیں
پڑوسن میری جیسے پھلجھڑی ہے

خزانوں پر پلے ہیں ناگ دائم
"یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے"

جواں بنتے ہیں کھا کر شیخ جس کو
وہ آخر کون سی بوٹی جڑی ہے

اطاعت اس لیے کرتا ہوں اس کی
کہ بیگم عمر میں مجھ سے بڑی ہے

جو بن جاؤں منسٹر تو سمجھ لو
مرے ہاتھوں میں جادو کی چھڑی ہے

یہ شاگردی کا ہوگا فیض شاید
غزل استاد سے میری لڑی ہے

طرح میں ہے غزل کہنا رحیمؔ اب
روایت اب اسی کی چل پڑی ہے

دوستوں کو یرغمال بنانا پڑا مجھے
وعدوں کو ان کے یاد دلانا پڑا مجھے

شہرت کی بھوک اپنی مٹانے کے واسطے
ہر فن میں اپنا پاؤں اڑانا پڑا مجھے

دیوان ملا ہے ردّی میں اک جو چھپا نہیں
قسمت سے مل گیا ہے خزانہ پڑا مجھے

کھانے کمائی اپنی شریکِ حیات کی
بچوں کے ہاتھ منہ کو دھلانا پڑا مجھے

ایسا تھا کچھ فساد میں پولس کا انتظام
اپنے ہی گھر کو چھوڑ کے جانا پڑا مجھے

پانی کی کتنی ہو گئی قلّت میں کیا کہوں
اک بار تیس دن میں نہانا پڑا مجھے

جب سامعین بن گئے نقاد اے رحیم
بہروں کو ہی کلام سنانا پڑا مجھے

○

اپنے گھر والوں کو دھوکہ دیا اکثر میں نے
اور چمکایا ہے غیروں کا مقدر میں نے
پڑ گئی جب سے مجھے ریس کی لت رہ رہ کر
داؤ پر سارے لگا ڈالے ہیں زیور میں نے

میدانِ سیاست میں جو فلمی ستارے ہیں
کیا ناچیں گے سیٹوں پر نیتا جو ہمارے ہیں

اب زیرِ ستم جتنے عشاق تمہارے ہیں
کچھ دن میں سمجھ لینا اللہ کو پیارے ہیں

اولاد کی کثرت کا اک میں ہی نہیں مجرم
کچھ میری حماقت ہے کچھ اُن کے اشارے ہیں

جیک پاٹ کی لالچ نے گھر دار بکا ڈالا
قسمت میں مری گھوڑے دُم دار ستارے ہیں

مئے خانے میں اے واعظ! دیکھو تو ذرا چل کر
انگور کی بیٹی ہے جنّت کے نظارے ہیں

پھر جائیں گے لانے کو کانسے کا پدک ہم بھی
ہمت نہیں ہاری ہے ہر کھیل میں ہارے ہیں

میدان سیاست میں اب آنے لگے لیڈر
تقلید ہے ریگن کی ریگن کے اشارے ہیں

کیوں چاند ستاروں کی چکّر میں ہے یہ دنیا
مہتاب ہے بیگم تو یہ بچّے ستارے ہیں

چہرہ پہ جوانی کی رنگت ہے رحیم اب تک
ہیں شادی شدہ لیکن لگتے تو کنوارے ہیں

ہائے افسوس کہ یہ کیسے زمانے آئے
ناچنے والے یہاں ہم کو نچانے آئے

ان کے کوچے میں ہوئی خوب مرمت میری
تب کہیں جا کے مرے ہوش ٹھکانے آئے

میکدے میں بڑی خفت ہوئی ان سے مل کر
زاہدِ خشک وہاں پیاس بجھانے آئے

ہے مصائب میں گرفتار یہاں ہر کوئی
ہم تو محفل میں فقط ہنسنے ہنسانے آئے

الٹی تاثیر ہے مٹی میں یہاں کی اے دوست
ہم نے بادام اگائے تھے بٹلنے آئے

لے کے آئے ہیں غزل مار کے مرحوم کی وہ
محفلِ شعر میں رنگ اپنا جمانے آئے

غیر کو دیکھ کے پٹتا ہوا سڑکوں پہ رحیم
"یادِ ماضی کے بہت ہم کو فسانے آئے"



چھپتے چھپتے ہی تو مئے خانے میں میں نے پی ہے
کس طرح واعظ و ناصح کو خبر پہنچی ہے

لوگ شاعر نہیں کہتے ہیں مجھے خبطی ہے
کیا کروں میں کہ مرا ذوق یہ موروثی ہے

مجھ کو کچھ اور نظر آ نہیں سکتا یارو
میری آنکھوں میں بسی صرف سری دیوی ہے

اس لیے تذکرۂ حسن کیا کرتا ہوں
"بات جو سب کو پسند آئے وہی اچھی ہے"

بن بلائے ہی چلا جاتا ہوں ہر محفل میں
کیا کروں شعر سنانے کی مجھے کھجلی ہے

اپنی شہرت کا امیری سے ہے رشتہ قائم
سستی ہوٹنگ ہے اور داد یہاں مہنگی ہے

ایک گستاخِ رسل کی یہ سزا ہے کیا کم
جیتے جی مرگِ مسلسل میں جو اب رشدی ہے

میرے چہرے سے عیاں ہوتے نہیں رنج و خوشی
صرف آنسو ہی نہیں آج ہنسی نقلی ہے

تیری باری بھی بہت جلد ہی آئے گی رحیم
نوجوانوں کو اداروں نے صدارت دی ہے

قسمت میں جو دُم دار ستارا نہیں ہوتا
میں عشق کے میدان میں ہارا نہیں ہوتا

تم بھول کے دریائے محبت میں نہ گرنا
"دریائے محبت میں کنارا نہیں ہوتا"

صورت ہے بُری یا کہ مری عمر ڈھلی ہے
مجھ کو تو کسی کا بھی اشارا نہیں ہوتا

روتی ہیں تو تنخواہ لٹا دیتا ہوں اُن پر
پھر اس کے سوا دوسرا چارا نہیں ہوتا

کہتے ہیں اسے میکسی ہم اپنی زباں میں
اک شرٹ ہے لمبا تو غرارا نہیں ہوتا

کرتا ہوں عبادت مگر آتی نہیں حوریں
حوروں کا کسی رات نظارا نہیں ہوتا

احباب کے جیبوں پہ نظر ہے رحیم اپنی
احسان کسی کا بھی گوارا نہیں ہوتا



پوچھا جو میں نے کیا ابھی اولاد ہی نہیں
کہنے لگا وہ دوست کہ کھاتہ نہیں کھلا
لو لنگ نا سٹ ہے یا کہ بیٹنگ میں دم نہیں
پوچھا تو بولا یہ ابھی عقدہ نہیں کھلا

قبائے شعر و سخن تار تار کر بیٹھے
مشاعروں کا جو ہم کاروبار کر بیٹھے

ہم ان کی ریشمی زلفوں پہ لکھ رہے تھے غزل
ہمارے سامنے وہ وگ اتار کر بیٹھے

ہیں چار سمت نگاہیں مگر ہمیں یہ نہیں
نگاہیں ایسی ہی ترپٹ سے چار کر بیٹھے

یہ فائدہ ہوا شاعر کے ساتھ رہنے سے
وہ شاعروں میں ہمیں بھی شمار کر بیٹھے

ہماری کار میں جو روز بار جاتا ہے
اسی کے نام پہ ہم کاروبار کر بیٹھے

ملی جو تھوڑی سی شہرت اسی کے بل پہ ہم
تمام شہر میں اپنا ادھار کر بیٹھے

جہیز میں جو لیا تھا وہ ہم کو بیچ نہ سکا
ہم ان کے ہار کو جوئے میں ہار کر بیٹھے

ذرا سی ہم نے جگہ دی انھیں جو پہلو میں
ہماری سیٹ سے ہم کو اتار کر بیٹھے

خوشامدوں سے جو شاعر بنا ہوا ہے رحیم
اسی شعار کو ہم اختیار کر بیٹھے

مجھ کو ملا تھا خط کہ محبت قبول ہے
پیچھے لکھا ہوا تھا "یہ اپریل فول ہے"

معشوق کا زبان سے پھرنا اصول ہے
عاشق تو ان کے سامنے مٹی ہے دھول ہے

بیگم کی ایک روز یہ تعریف میں نے کی
جانِ بہار ہے تو مرا گوبھی کا پھول ہے

ہم بے وقوف ہیں تو چنیں گے تمہیں ضرور
دیکھو یہ بات بات پہ بحاشن فضول ہے

کچھ دن ہیں سمجھو غیر کا قصہ ہوا تمام
دردِ جگر ہے مجھکو اُسے دردِ سُول ہے

بیٹی جوان گھر میں ہے دینا ہے جو جہیز
ماں ہے نِڈھال باپ حزین و ملول ہے

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے حکم دے رحیم
اس سنگدل سے عرضِ تمنا فضول ہے

دل کے بہلانے کو دل میں کوئی دلبر رکھنا
اور بیگم کی نگاہوں سے بچا کر رکھنا

سارے احباب میں بدنام تمہیں کر دے گی
اپنے احوال پڑوسن سے چھپا کر رکھنا

کام اگر اپنا بنانا ہے تو پھر اس کے لیے
ہاتھ میں اپنے کوئی ایک منسٹر رکھنا

گر کمانا ہو تو ڈگری پہ بھروسہ نہ کرو
ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر رکھنا

دور تک نام کی تشہیر اگر ہے منظور
جاری تنقید ادیبوں پہ برابر رکھنا

ہو فسادات تو اپنے کو چھپانے کے لیے
اپنے آنگن میں کوئی پیڑ تناور رکھنا

عام فلموں کے طفیل آج ہوئے "لولیٹر"
پوسٹ آفس میں کئی ایک کبوتر رکھنا

غیر مدعو کو کسی طرح نہ بڑھنے دیں گے
بزم جوہر میں قدم سوچ سمجھ کر رکھنا

مسئلے کیوں نہ ہوں سنگین سے سنگین رحیم
قہقہے کل کے لیے ان کے اٹھا کر رکھنا

اب فاختئے اُڑاتے نہیں ہیں خلیل خاں
راکٹ اڑا کے خواب میں کرتے ہیں شیخیاں

ہیں تیکھی تلخ، تند خو جو میری سالیاں
لگتی ہیں میرے حق میں وہ منہ زور آندھیاں

اللہ کا خلیفہ اسّی اک بنا پہ ہوں
وہ لامکاں اُدھر ہے اِدھر میں ہوں بے مکاں

کیوں کر گڑھے میں گرنے کا ہم کو نہ ہو یقیں
اندھا ہے اتفاق سے جب میرِ کارواں

ہے روز و شب دعا یہی پروردگار سے
سو سال کا بھی ہو کے میں کہلاؤں نوجواں

"اے جی" پکارتے ہیں وہ انداز سے مجھے
میں بھی پکارتا ہوں انھیں "ہائے جانِ جاں"

ٹی وی کا ہے طفیل کہ مجھ سے قریب ہیں
دیکھی تھی رات ساتھ ہی جو فلم "دوریاں"

مجنوں کا دو خطاب مجھے میرے دوستو
اڑنے لگی ہیں میرے گریباں کی دھجیاں

جن کے گھروں پہ ناز تھا دنیا کو اے رحیم
اب ان کے ہی گھروں میں کھنکتی ہیں چوڑیاں

حرام میں وہ نہیں لُطف، جو حلال میں ہے
کہ مرغ و ماہی کی لذّت ہماری دال میں ہے

فساد جو بھی کراتا ہے فرقہ وارانہ
وہ بھیڑیا ہے مگر آدمی کی کھال میں ہے

ہے اختیار خیالوں میں چاہے جو بھی کریں
مزا جو ہجر میں ہے، وہ کہاں وصال میں ہے

مزاح و طنز کا معیار ہے بہت اُونچا
ہے ذہن و فکر کی پستی جو ابتذال میں ہے

نہ جانے یہ مرا گھر ہے کہ غمکدہ کوئی
میں رنج میں ہوں مری اہلیہ ملال میں ہے

زمانہ چاند ستاروں سے مطمئن ہی نہیں
ہماری شاعری اٹکی ہوئی جمال میں ہے

غریبی کیسے ہٹے گی ہٹاؤ نیتاؤ
غریب الجھا ہوا بس اسی سوال میں ہے

کلال لُٹّی کا قائل ہے، حسام کا ساقی
یہ فرق ظرف کا ساقی میں اور کلال میں ہے

نہیں ہے بحر میں لے وزن ہے رحیم مگر
ہماری شاعری سُر میں ہے اور تال میں ہے

"جب میں ہیں وہ ہم سے دُور کہاں
آپ اپنا اُٹھیں شعور کہاں"

زندگی میں جو ہم کو مل جائے
اپنی قسمت میں ایسی حور کہاں

جب غریبی ہٹا ئیں گے لیڈر
جائیں گے پھر بتاؤ "پور" کہاں

میکدہ بھی اُدھر ہے مسجد بھی
جا رہے ہو مرے حضور کہاں

آپ ہی گھُل رہے ہیں جل جل کر
کہیئے اس میں مرا قصور کہاں

لیڈروں کے دماغ میں جو ہے
اپنے بھیجے میں وہ فتور کہاں

کر رہے ہیں جو کورٹ میں شادی
مصری بادام اور کھجور کہاں

اپنے گھر میں اُٹھا کے لاؤں گا
یہ بتاؤ ہے کوہِ نُور کہاں

جس سے ظلمت چھپا سکوں گا رحیم
اپنے چہرے پہ ایسا نُور کہاں

کیسے بیاں کروں میں کسی گلبدن کا رنگ
پھیکا ہے اس کے سامنے زاغ و زغن کا رنگ

سارے اساتذہ سے چرا و سخن کا رنگ
گر کچھ نکھارنا ہو تمہیں اپنے فن کا رنگ

آتے ہی سارے لوگ "چکن" پر اڑی پڑے
ٹیبل پہ دیکھ پایا نہ میں نے چکن کا رنگ

اپنا لہو بھی شاملِ فصلِ بہار ہے
"یوں سرخ ہو رہا ہے ہمارے چمن کا رنگ"

مفہوم اور ہوتا ہے اشعار کا وہاں
جدّت کی شاعری میں جُدا ہے سخن کا رنگ

پڑ جائے رنگ میں نہ کہیں بھنگ "یارئیں"
ہم کو تو ہے پسند فقط "تاڑبن" کا رنگ

اس میں سلیقہ گھر کا نظر کیوں نہ آئے گا
ہے مختلف جو شرٹ سے میرے بٹن کا رنگ

قائل ہیں ذائقہ کے غرض کیا ہے رنگ سے
دستر پہ دیکھتے ہی نہیں ہم مٹن کا رنگ

ہنستے ہوئے غموں کو چھپانا ہے اے رحیم
دیکھا نہیں کسی نے کبھی رنج و محن کا رنگ

نام شیطان سے مشہور ہمارا ہوتا
اپنے پیچھے بھی اگر کوئی ادارہ ہوتا

اوج پر اپنے مقدر کا ستارا ہوتا
اک منسٹر کا ہی چمچہ جو ہمارا ہوتا

اپنے جینے کا یہی ایک سہارا ہوتا
کسی تِرپٹ کا سہی کوئی اشارا ہوتا

ایک شادی نے ہی سب بال جھڑا ڈالے ہیں
یہ عمل کہیئے کہ پھر کیسے دوبارہ ہوتا

لے پڑھے اپنی غزل بزم سے ہم لوٹے ہیں
تم نے سہواً ہی سہی نام پکارا ہوتا

ڈاکٹر آج کے تاجر ہی نہ ہونے پاتے
چارہ سازوں سے اگر بچنے کا چارا ہوتا

کوئی شاعر بھی مرے آگے نہ ٹِک پاتا رحیم
میرا میدانِ سخن پہ جو اجارہ ہوتا

پلٹا کے جس نے رکھ دیا عالم شباب کا
ممنون کیوں نہ ہوں گا میں پھر اس خضاب کا

موسم پھر آگیا ہے یہاں انتخاب کا
کرنا ہے پھر مقابلہ ہم کو عذاب کا

پانی کو منہ لگاتا نہیں ہے وہ بھول کر
چسکہ لگا ہوا ہو جسے بھی شراب کا

میں نے کہا کہ آپ ہی آئے تھے خواب میں
مطلب نکالتے ہیں وہ بلی کے خواب کا

اب بڑھتے بڑھتے پھول وہ گوبھی کا ہو گیا
لگتا تھا پہلے پہلے جو غنچہ گلاب کا

ہم شاعروں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں کیوں
بھیجہ پھرا ہوا تو نہیں ہے جناب کا

کمپیوٹروں سے ہونے لگے گی جو شاعری
نقاد منہ ہی تکتے رہیں گے کتاب کا

مرعوب میں نہیں ہوں مرا انکسار ہے
ویسے بھی آدمی نہیں میں رعب داب کا

بے ساختہ میں رو پڑا ٹڈیا کو دیکھ کر
وہ تھا ورق رحیم ہماری کتاب کا

عدو بے شک بہت ہی دل جلا ہے
مری قسمت کو اب تک کوستا ہے

فقط رنج و الم کا تذکرہ ہے
غزل ہے آپ کی یا مرثیہ ہے

ڈبوتا کیوں نہیں ہے کوئی کشتی
"سمندر ساحلوں سے پوچھتا ہے"

لچک ہے چال میں، انداز دل کش
وہ شاعر ہے کہ کوئی شاعرہ ہے

اسی کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہوں
مرا دل لے کے جو چلتا بنا ہے

ہوا پہلے یہ انڈا، یا کہ مرغی
پہیلی آج تک وہ بوجھتا ہے

سبھی احسان کو یکسر بھلا دو
اک اچھا لفظ بے شک شکریہ ہے

رقیبوں میں ہوا ہے بے تکلف
مزاجِ یار کو یہ کیا ہوا ہے

رحیم اپنے کو کہتے ہیں وہ مخلص
کبھی کہتے ہیں یہ تو سر پھرا ہے

شاعر کبھی افلاس کے باہر، نہیں ہوتا
مقروض ہی رہتا ہے اُسے گھر، نہیں ہوتا

ہر سمت رعایا میں ہے اب کرب کا عالم
راعی پہ اثر لاتی برابر، نہیں ہوتا

گاندھی تھے جنھیں فکر تھی اس قوم و وطن کی
دُبلا تو یہاں اب کوئی لیڈر، نہیں ہوتا

بے فکر بسر ہوتی ہے گھر ہے نہ تو زر ہے
شاعر ہوں مجھے چوروں سے کچھ ڈر نہیں ہوتا

ہر سال ستمبر میں ستم ڈھائے گئے ہیں
اے کاش کیلنڈر میں ستمبر نہیں ہوتا

داماد وفا دار رہوں گا میں خُسر کا
جب تک کہ مرے نام پہ وہ گھر نہیں ہوتا

کم ظرف ہے پیالہ جو چھلک جاتا ہے اکثر
"باہر کبھی آپے سے سمندر، نہیں ہوتا"

وہ حدِ ادب میں کبھی رہتے نہیں لیکن
ناچیز کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتا

سنیاس لیے طالب دنیا ہیں رحیم آپ!
سنیاسی کا دُنیا میں کوئی گھر، نہیں ہوتا



جہیزوں کے لیے بڑھتی رہیں گی تلخیاں کب تک؟
جلائی جائیں گی سسرال میں یہ لڑکیاں کب تک؟

اُڑائیں گے ڈنر میں سارے لیڈر مرغیاں کب تک؟
رعایا کُنڈیوں میں ڈھونڈھ کھائے ہڈیاں کب تک؟

گُلِ پژمردہ پر آخر رہیں گی تتلیاں کب تک؟
رچائیں گے جنابِ شیخ آخر شادیاں کب تک؟

ہے گھر میں ٹیم کرکٹ کی ذرا تو شرم کر ظالم!
گرانی کے زمانے میں یہ "لمبو کیریاں" کب تک؟

تمہارے وعدے وعدے ہیں کبھی پورے نہیں ہوتے
سمندر میں رہیں گی کاغذی یہ کشتیاں کب تک؟

محافظ ہی جو دشمن ہوں ہمارے مال و عزت کے
بتاؤ کس طرح جھیلے رعایا سختیاں کب تک؟

رحیم اب شاعری چھوڑو لگاؤ پان کا ڈبہ!
بگھاریں گے جنابِ شیخ چلی شیخیاں کب تک؟

کسی کے باپ نے دھوکہ دیا بڑا مجھ کو
دکھا کے تاج محل فاعہ دے دیا مجھ کو

جہیز لے کے چلا تھا خوشی خوشی لیکن
رپورٹ تھانے میں کر کے پھنسا دیا مجھ کو

نماز پڑھنے گیا تھا میں آج ہی مسجد
خدا کا شکر کہ جوتا نیا ملا مجھ کو

ستم ظریفوں نے بیوی کو لکھ دیا بیوہ
یہ کاتبوں نے کہیں کا نہیں رکھا مجھ کو

رہے گی شہر میں ہر سمت جا بجا ید ادمری
کبھی وزیر کا عہدہ جو مل گیا مجھ کو

یہ خواب بھی کھلی آنکھوں کے خوب ہوتے ہیں
پلا رہے تھے بہت رند پارسا مجھ کو

جو چار گھونٹ گلے سے اتر گئے میرے
دکھائی دیتا ہے ذرّہ ہمالیہ مجھ کو

تھا تندخو جو سرا چارہ گر میں کیا کرتا
نکالا دانت وہ جب کہ بخار تھا مجھ کو

میں اپنے شہر کی تاریخ پڑھ رہا تھا رحیم
کہ حرف حرف لہو سے بھرا ملا مجھ کو

جب بھی بیگم کی دید ہوتی ہے
ایک زحمت مزید ہوتی ہے

مُسکراتے ہیں آج کیوں مرشد
کوئی لڑکی مرید ہوتی ہے

یاد آتے ہیں ہم بھی سالوں کو
جب ضرورت شدید ہوتی ہے

چاند سورج زمیں سے اُگتے ہیں
شاعری جب جدید ہوتی ہے

سچ ہی کہتے ہیں گھر جنوائی کی
زندگی زر خرید ہوتی ہے

اب بجائے خُدا بلاؤں سے
اُن سے گفت و شنید ہوتی ہے

دوستو زن زدہ غریبوں کی
کیا کہوں کیسے عید ہوتی ہے

لڑکے ملنے سے بِل کے ڈرتے ہے
حسرتِ دل مزید ہوتی ہے

ہے حماقت رحیم شادی بھی
اس سے ہمتا پلیید ہوتی ہے

ہم سے غم خواریاں، نہیں اچھی
یہ اداکاریاں، نہیں اچھی

کچھ جو بنتا ہے چاپلوسی کر
دیکھ خودداریاں نہیں اچھی

شیخ صاحب! سنو ضعیفی میں
"دل کی بیماریاں، نہیں اچھی"

نامِ اردو سے ہم کو دو نہ فریب
یہ دل آزاریاں نہیں اچھی

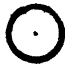
رات میں ساتھ پی لو واعظ کے
دن کی مئے خواریاں نہیں اچھی

کچّی اِملی وہ پھر منگاتے ہیں
پھر سے تیاریاں، نہیں اچھی

ووٹ لیتے ہو بھول جاتے ہو
دیکھو، غدّاریاں، نہیں اچھی

ہاتھ میں اون لے کے بیٹھے ہیں
ایسی گُل کاریاں نہیں اچھی

جیب کاٹو کہ ریس کھیلو رحیم
دیکھو! بیکاریاں، نہیں اچھی



جس حسیں کا پیام آیا ہے
سنتے ہیں اس پہ جن کا سایا ہے

ناچنے والے بن گئے لیڈر
خوب تقدیر نے نچایا ہے

پھولتا جا رہا ہے روز افزوں
جب سے رشوت کا مال کھایا ہے

جس کی قربانی دے رہا ہے شیخ
بکرا اس کا نہیں، پرایا ہے

دونوں اک دوسرے سے بدظن ہیں
کیسا راعی ہے کیا رعایا ہے

شاعری چھوڑ کر بنوں نیتا
سر میں سودا یہی سمایا ہے

جس پہ سب کچھ لٹا رہا ہے رحیم
گھر کی بیگم نہیں وہ آیا ہے

جینے کا کچھ اصول نہ مرنے کا ڈھنگ ہے
ہر چھوٹی چھوٹی بات پہ آپس میں جنگ ہے

جب سے سُنا ہے فلم "دی ڈے آفٹر" کا حال
کھمبوں سے ہم نے باندھ کے رکھا پلنگ ہے

ٹی وی پہ گائے جائیں پکاریں گے روز ہی
اردو زبان سے اس میں زیادہ ترنگ ہے

آیا ہے کیسا دور؟ سیاست میں دوستو!
راعی بھی خوش نہیں ہے رعایا بھی تنگ ہے

آپ اپنے ہاتھ اجاڑ نہ لیں یہ جنوں پرست
شیشہ کے گھر میں رہتے ہوئے مشقِ سنگ ہے

حوروں پہ ہے نگاہ گو مرقد ہیں پاؤں میں
واعظ اخیر عمر میں کیا تیرا ڈھنگ ہے

کرسی پہ جب تھے کچھ نہ کیا آپ نے مگر
ہٹ کر پکارنا تو فقط عذرِ لنگ ہے

واعظ کو میکدے میں جو دیکھا تھا میں نے کل
لڑتا ہوا جناب کے چہرے کا رنگ ہے

طنز و مزاح میں نہ چھٹا دامنِ ادب
سب سے جدا رحیم ترا اپنا رنگ ہے



ہر کسی مرحوم کی نظمیں سُنا دیتے ہیں وہ
یوں بھری محفل میں رنگ اپنا جما دیتے ہیں وہ

قرض ہم سے مانگ کر اکثر بُھلا دیتے ہیں وہ
دوستی کا سلسلہ ایسا ملا دیتے ہیں وہ

میری پاکٹ خود بخود کھلتی ہے اُنکے واسطے
میری جانب دیکھ کر جب مُسکرا دیتے ہیں وہ

کون جانے کیا ہے اس میں چال ان کی دوستو!
ہندو اور مسلم کو آپس میں لڑا دیتے ہیں وہ

سیٹ کی خاطر کریں گے آپ سے وعدے بہت
سیٹ مل جائے تو پھر سب کچھ بُھلا دیتے ہیں وہ

آج کل جدّت پہ ہے موقوف ساری شاعری
دن میں چاند اور رات میں سورج اگا دیتے ہیں وہ

میں ہی مارے شرم کے محفل سے اُٹھتا ہوں رحیم
شعر اپنا کہہ کے جب میرا سنا دیتے ہیں وہ

اپنی ماں باپ سے لڑنے کو زباں ہوتی ہے
ورنہ سسرال کے آگے وہ کہاں ہوتی ہے

کوئی لڑکی جو غریبی میں جواں ہوتی ہے
اس کی تقدیر خدا جانے کہاں ہوتی ہے

پہلے پہلے تو نظر آتی ہے وہ جانِ جہاں
رفتہ رفتہ وہی پھر آفتِ جاں ہوتی ہے

لوگ لکھوا کے غزل ٹھیک نہیں پڑھ سکتے
اصلیت ان کی یہیں آکے عیاں ہوتی ہے

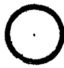
ملک میں کھیلی گئی خون کی ہولی ہر سُو
دیکھنا آگ کی برسات کہاں ہوتی ہے

چاٹ جاتی ہے وہ شاعر کو دیمک کی طرح
فکرِ انساں کے لیے دشمنِ جاں ہوتی ہے

اس لیے میں بھی تکلف کا روادار نہیں
ان کی "نا" میرے لیے اصل میں ہاں ہوتی ہے

اس قدر اس میں ہوا کرتے ہیں پھیکے پکوان
جس قدر دیکھنے میں اونچی دکاں ہوتی ہے

جس میں سچائی کی پرچھائیں نظر آئے رحیم
ہم کو محسوس وہی بات گراں ہوتی ہے



کچھ گھر کے مسائل ہیں نہ گھر دار بڑا ہے
جب دیکھئے وہ شوخ پلنگڑی پہ پڑا ہے

سونے کو چٹائی ہے نہ پانی کو گھڑا ہے
اس وہم میں خوش ہے کہ وہ شاعر تو بڑا ہے

کیا چیز نہیں گھر میں خبر کچھ نہیں اُن کو
جب پوچھئے کہتے ہیں "نہ لچھا نہ چھڑا" ہے

اب نیند بھی آرام سے ہم لے نہیں پاتا
لگتا ہے مہاجن وہ مرے سر پہ کھڑا ہے

خود سوچیئے حد ہوتی ہے ایثار کی آخر
میٹھا تو نہیں صبر کا پھل بلکہ سڑا ہے

اب صبر و تحمل سے بھگتنا ہی پڑے گا
جب شاعرِ بے درد گلے اپنے پڑا ہے

شہرت پہ رحیم آپ کی افلاس کے سائے
ہے نام بڑا ہاتھ میں کھٹل کا کڑا ہے

خون جی بھر کے بہا اس سال میں
ہم تو ہنستے ہی رہے ہر حال میں

رہ گئے ہیں آپ جو سسرال میں
کچھ نظر آتا ہے کالا دال میں

ریس پر تو کوئی پابندی نہیں
منع ہے جوتے کی بیٹھک "چال" میں

یہ زمانہ خیر سے ڈسکو کا ہے
جو بھی کہنا ہے کہو سُر تال میں

اس نے پہنا ہے جو نسوانی لباس
آگئی ہے کچھ نزاکت چال میں

لیڈروں کی چکنی باتوں پر نہ جاؤ
بھیڑیئے ہیں آدمی کی کھال میں

باپ کی جھڑکی خُسر کی گالیاں
خوش رہا کرتے ہیں ہم ہر حال میں

بات آکر ایک ضد پر رُک گئی
ہو ہنی مون اپنا نینی تال میں

تم کنوارے ہی بھلے تھے اے رحیم
کر کے شادی پڑ گئے جنجال میں



ضعیف آ چکی پھر بھی شباب باقی ہے
ہمارے گھر میں ابھی تک خضاب باقی ہے

سہاگ رات کو مارا تھا ایک بلّی کو
ابھی تک ان پہ مرا رعب داب باقی ہے

کسی کے مرنے کا کچھ غم نہیں مجھے لیکن
ملال ہے کہ مرا کچھ حساب باقی ہے

مجھے رئیس کہیں آپ یا کہیں سائیس
لٹکا ہے ریس میں گھوڑا رکاب باقی ہے

رکھا ہوا تھا وہ شاید فریج میں اب تک
ابھی بھی چہرہ پہ وہ آب و تاب باقی ہے

نکالو بیچ کے دو وقت کا گزر کر لیں
تمہاری آنکھوں میں جتنی شراب باقی ہے

رحیم جل چکی رسّی مگر یہ بل نہ گیا
نوابی جا چکی پھر بھی خطاب باقی ہے

کر رہے ہو کیوں کوشش مجھ سے بچ کے جانے کی
آج میں نے ٹھانی ہے پھر غزل سنانے کی

کاہے کو اداکاری آنسو یوں بہانے کی
کر رہے ہو تیاری کیا مجھے پھنسانے کی

کتنے گھر اجاڑے ہیں پوچھو شیخ صاحب سے
بات پھر سے کرتے ہیں گھر نیا بسانے کی

پھر مرید نے بھیجا اک بڑا سا نذرانہ
آرزو تھی مرشد کو گھر بڑا بنانے کی

جب سے ہم گئے مسقط وہ تو یہ سمجھتی ہیں
مل گئی ہے اک چابی عیش کے خزانے کی

گھر کا کھا کے ماموں کی بکریاں چراتا ہوں
کیوں نہ ہو روایت ہے یہ مرے گھرانے کی

ہوٹلوں میں کھاتے ہیں مسجدوں میں سوتے ہیں
ہم کو کیا ضرورت ہے اپنے گھر کو جانے کی

جب سے ساتھ بیگم بھی میری ہم پیالہ ہیں
چھٹ گئی مری عادت اب شراب خانے کی

یہ رحیم صاحب تو کچھ عجیب شاعر ہیں
پڑ گئی انھیں عادت غم میں مسکرانے کی

ہم ان کے ساجھے ہی میں کاروبار کرتے ہیں
جو سولہ سو کے عموماً ہزار کرتے ہیں

پھنسائے رکھتے ہیں وعدوں کے جال میں ہر دم
وہ ہم سے عشق بھی اکثر اُدھار کرتے ہیں

جو سبز باغ دکھاتے ہیں ہر الکشن میں
اُنھیں کے وعدوں پہ ہم اعتبار کرتے ہیں

زمیں کو آسماں کہتے ہیں آسماں کو زمیں
یہ کام آج کے جدت شعار کرتے ہیں

جلیں نہ اس طرح طنز و مزاح سے ناقد
مشاعروں کو تو ہم خوشگوار کرتے ہیں

فروخت کرتے ہیں بوڑھوں کو بیٹیاں اپنی
جرائم ایسے بھی کچھ نابکار کرتے ہیں

ہم اپنے عشق کا پاتے ہیں یوں صلہ اب تک
ہر ایک رات ستارے شمار کرتے ہیں

خلل ہے کچھ تو یقیناً دماغ میں ان کے
تو دو خزاں میں تلاشِ بہار کرتے ہیں"

رحیم شاعری چھوڑو سنبھالو گھر اپنا
وظیفہ خوار ہی اب ایسے کار کرتے ہیں

کٹتا نہیں ہے دن مرا جھگڑا کئے بغیر
ہوتا ہے ایک کام یہ ناغا کئے بغیر

آتا ہے چین کب انھیں خرچا کئے بغیر
چھٹی کئے بغیر نہ چلّا کئے بغیر

کمپیوٹروں میں فیڈ کرو اپنے عشق کو
رکھیں گے یاد عشق کو بھولا کئے بغیر

سنت میں کام بن گیا غالب کا جس گھڑی
وہ چل دیئے تھے قرض کو پورا کئے بغیر

"مجموعہ" اپنے صرفے سے کیسے چھپاؤں میں
چارہ نہیں ہے چندہ اکٹھا کئے بغیر

واعظ کے مشورہ پہ عمل کس طرح کریں
کہتا ہے صرف پڑھ کے وہ سمجھا کئے بغیر

تشہیر ہونی چاہیئے شاعر کی ہر گھڑی
کیسے بھلا چلے گا وہ چرچا کئے بغیر

اپنے فریج ہی میں رکھو اپنے حسن کو
تازہ رکھے گا حسن کو بوڑھا کئے بغیر

ٹی وی پہ ریڈیو پہ ہے اخبار میں رحیم
شہرت میں چار چاند ہیں خرچا کئے بغیر



جو بوجھ ہے دل پر اسے کم کرتے رہیں گے
شاعر ہیں تو ہر ناک میں دم کرتے رہیں گے

یہ پارٹی اچھی ہے نہ وہ پارٹی اچھی!
لیڈر کو ضروری ہے اُدھم کرتے رہیں گے

لے آئیں گے سامان کو کسٹم سے بچا کر
اس طرح سے ہم سیرِ حرم کرتے رہیں گے

احباب کو لے ڈوبیں گے احوال سُنا کر
وابستوں کو وابستۂ غم کرتے رہیں گے

یہ روزِ ملاقات ہی معلوم ہوا ہم کو
معشوق جو ہیں آپ ستم کرتے رہیں گے

بیٹے جو چلے جائیں گے سسرال کے گھر کو
ہم باپ ہیں اولاد کا غم کرتے رہیں گے

ہم نام پہ فرقوں کے لڑائیں گے رحیم اب
یوں پرورشِ دیر و حرم کرتے رہیں گے

معاملہ ہر اک الٹا یہاں لگے ہے مجھے
میاں ہے بیوی تو بیوی میاں لگے ہے مجھے

ہے قید جب سے وہ پنجرے میں ساس سسر کے
جو شیرِ وقت تھا، سٹھو سیاں لگے ہے مجھے

بھڑک رہا ہے ہر اک بات پر یہاں انساں
ہر ایک آدمی آتش فشاں لگے ہے مجھے

ہے جرسی جسم پہ، پتلون، بال لمبے سے
یہ لڑکا چال سے "زینت اماں" لگے ہے مجھے

گزر رہی ہے مری زندگی عزیزوں میں
جہاں بھی جاؤں میں اپنا مکاں لگے ہے مجھے

یہ تیز و تند لچکدار بات کا انداز
تمہارے منہ میں عدو کی زباں لگے ہے مجھے

ہے آج شام کو شاپنگ، رات کو پکچر
وہ آج صبح سے کچھ مہرباں لگے ہے مجھے

جو شخص کشتیاں لڑتا تھا روز دنگل میں
پکاتا آج وہی روٹیاں لگے ہے مجھے

ملا ہے مال اسے ویسٹ جرمنی کا رحیم
بڑے نصیب کا وہ رکشہ راں لگے ہے مجھے

شاعری میں اک تماشہ اب وہ دِکھلانے کو ہے
مار کر میری غزل محفل پہ چھا جانے کو ہے

سارے اُلّو کیا کریں گے سوچتا ہوں رات بھر
"تیرگی کا راج اب دنیا سے مٹ جانے کو ہے"

بَد دُعا ہے حُسن والوں کی جو ہے آشوبِ چشم
ان کو دیکھا پیار سے اور آنکھ اب آنے کو ہے

اب ترنم کی روایت بھی پُرانی ہو گئی !!
ایک شاعر اپنی غزلیں ساز پر گانے کو ہے

شاعری میں بھی سیاست گھُس گئی ہے دوستو
پارٹی بازی یہاں بھی جال پھیلانے کو ہے

ہوش اُڑاتی ہے گرانی سارے مے خواروں کے آج
کون کہتا ہے شرف حاصل یہ مے خانے کو ہے

بھوک کی جانب نہ جائے ذہن بچّوں کا مرے
اس لیے ٹی وی مرا اب دل کے بہلانے کو ہے

ہے بجٹ گھاٹے میں جرمانے ضروری ہیں یہاں
اس لیے سرکار میری لوٹ کر کھانے کو ہے

اہلِ فن سب جا رہے ہیں چھوڑ کر دنیا رحیم
شاعری میں اب تمہاری دال گل جانے کو ہے

دل لُبھاتے ہوئے فقرے نہیں اچھے لگتے
اردو والوں کو یہ وعدے نہیں اچھے لگتے

نرخ انڈوں کا سرے دوستو پھینکو لیکن
دیکھو اسٹیج پہ انڈے نہیں اچھے لگتے

گو دیں کتّے بٹھاتے ہیں وہ لیکن ان کو
"گھر کی دیوار پہ کوّے نہیں اچھے لگتے"

سیٹھ کوئی ہو جو دُبلا تو بُرا لگتا ہے
اور شاعر جو ہوں موٹے نہیں اچھے لگتے

ہم بھی تفریح کو کلّٹے پہ پھرا کرتے تھے
پیٹ خالی ہو تو پُتلے نہیں اچھے لگتے

دال چٹنی ہی مزا دیتی ہے گھر کی ہم کو
مانگے تانگے کے پسندے نہیں اچھے لگتے

رشید میں گھر سے بہت دُور نکل جاتا ہوں
جب بلکتے ہوئے بچے نہیں اچھے لگتے

ہو کے مجبور میں لکھتا ہوں فصاحت کے بغیر
ورنہ مصرعے مجھے ایسے نہیں اچھے لگتے

کچھ نئی بات کہا کیجئے شعروں میں رحیم
صرف سسرال کے جھگڑے نہیں اچھے لگتے



سب کو ہے یہ تلاش کہ اک ایسا گھر ملے
لڑکی بھی خوبرو ہو، بہت مال وزر ملے

بیگم ادھر چلاتی ہے خنجر زبان سے
سالے بھی قسمتوں سے ہمیں باکسر ملے

نیرنگیٔ جہاں کا نظارہ ہے جسم پر
کپڑوں پہ دوستوں کے ہمیں پوسٹر ملے

کنڈکٹر کے بس میں ہیں بیٹی کے صبح و شام
ماں باپ کو تلاش تھی اک ڈاکٹر ملے

اب کاروبارِ قلب ونظر عام ہو گئے
عاشق گلی گلی تو حسیں در بدر ملے

شاگرد مدرسے سے گئے دیکھنے جو فلم
دیکھا تو آگے صف میں انھیں ماسٹر ملے

تم بھی رحیم خوب سی دولت بٹور لو
جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے

دل سے حسرت مری اس طرح نکل جاتی ہے
جیسے ہمراز مری راز اُگل جاتی ہے

ایسے کھا جاتے ہیں لیڈر ہمیں ہنستے ہنستے
جیسے مچھلی بڑی، چھوٹی کو نگل جاتی ہے

کوستے کیوں ہو کہا کرتا ہے سچ آئینہ
عمر تو عمر ہے ہر حال میں ڈھل جاتی ہے

عقل خالی ہے یوں سرکار کے خزانے کی طرح
ہر نئے سال میں گھاٹے سے بدل جاتی ہے

فارغ البال ہوئے جھریاں آئیں رُخ پر
خاک چہرے پہ یہی عمر تو مل جاتی ہے

ان کی تصویریں جوانی کی چھپا کرتی ہیں
دیکھتا ہوں تو وہ صورت ہی بدل جاتی ہے

خوبرو خادمۂ بیوی سے بھی بڑھ کر نکلی
روز سینے پہ مرے مونگ وہ دل جاتی ہے

شیخ جی اپنے گناہوں سے ہوئے ہیں تائب
موم بتی ہے بہرحال پگھل جاتی ہے

اُن کو اندازہ ہوا آٹھویں بچے پہ رحیم
"فصلِ گُل باغ کی ہر شئے کو بدل جاتی ہے"

میرے حق میں حکم ہے اک ان کا فرمایا ہوا
کیونکہ اب تک میں ہوں مال ان کا بہت کھایا ہوا

دیکھتے ہی شاعروں کو بھاگتے ہیں سامعین
شاعری میں انقلاب ایسا ہے اک آیا ہوا

احترام استاد کا لازم ہے مجھ پر اس لیئے
وہ ہے تلمیذِ صفی اس طرح وہ تایا ہوا

میری گھر والی کو سب پڑھ کر سنا دیتا ہے خط
مجھ کو قاصد بھی ملا دشمن کا بہکایا ہوا

کھا رہا ہے گوشت ہڈی گھاس پتہ بھی یہاں
آدمی دو پاؤں کا ہو کر بھی چوپایا ہوا

داد پانے شعر کی جو آرٹیں کو لائے ہم
ان کے پیچھے ہی ہمارا ختم سرمایا ہوا

شعر جن کے پڑھنے والا ہوں نہ آجائیں کہیں
اس لیے محفل میں بیٹھا ہوں میں گھبرایا ہوا

امن ہوگا، دیش کے حالات سدھریں گے ضرور
یہ سبق تو ہے ہر اک لیڈر کا دہرایا ہوا

کیوں نہاری میں نظر آتا نہیں ہے اے رحیم
یہ تو بکرے کا نہیں ہے مرغ کا پایا ہوا

پالا پڑا کبھی اپنا تو اُس شیخ جی کے ساتھ
جو کھا نکل کے آتا ہے جن کا ہنسی کے ساتھ

لیڈر ہے تجھ کو بننا تو وعدہ وفا نہ کر
بھاشن ضرور سیکھ لے چمچہ گری کے ساتھ

ایسی ہوا چلی کہ مری وگ ہی اُڑ گئی
آنا پڑا ہے لوٹ کے شرمندگی کے ساتھ

داماد بن کے جب سے پڑا ہوں میں اُن کے گھر
ہر شئے چھپا یا کرتے ہیں وہ بے رُخی کے ساتھ

لگتا ہے ایک نانا نواسی کے ساتھ ہیں
بوڑھے میاں جو پھرتے ہیں اس ہنچلی کے ساتھ

"ان شیخ صاحبوں" کی تو دُنیا میں ہے بہشت
"کچھ دن کسی کے ساتھ" تو کچھ دن کسی کے ساتھ"

چاہا تھا اس کو میں نے تو معصوم جان کر
بھیجہ کھپا رہا ہوں اسی سر پھری کے ساتھ

دعوت میں شیخ کھاتے ہیں بریانی مُرغ کی
گھر میں جو دال کھاتے رہے مُفلسی کے ساتھ

ہو تم کو آرزو میں جو محفل کی اے رحیم
کچھ چاپلوسی سیکھ بھی لو شاعری کے ساتھ

کرفیو میں

وہ پڑی اب کی مار کرفیو میں
اُٹھ نہ پایا میں یار کرفیو میں

بن گیا تھا مرے گلے کا طوق
مفلسی کا حصار کرفیو میں

ہم تھے گوشہ نشیں وہ بے پردہ
یوں ہوئے کاروبار کرفیو میں

تاجروں کی تو عید ہوتی ہے
کرتے ہیں دو کے چار کرفیو میں

چغلیاں سب کی کرتے گزرے ہیں
اپنے لیل و نہار کرفیو میں

ایک لقمہ بھی ایک نعمت تھا
جو بھی ملتا اُدھار کرفیو میں

کاٹتے تھے اسیر وقت اپنا
دیکھ کے وی سی آر کرفیو میں

دل مرا بلیوں اُچھلتا تھا
جب بھی آتی تھی کار کرفیو میں

شاعری کا نہیں ہے وقت رحیم
اللہ اللہ پکار کرفیو میں

شاعرنامہ

تعارف اپنا یہی بس جناب عالی ہے
نصیب اپنا ہے اُجلا تو شکل کالی ہے

خوشامدوں کی بدولت ہے شاعری میری
متاعِ ظرف وانا ہیں نے بیچ ڈالی ہے

مشاعروں کی فضا کو بگاڑ بیٹھا ہوں
کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی ہے

مرے کلام و ترنم سے لوگ ہیں بیزار
مگر ہر ایک مرے روبرو سوالی ہے

میں چالبازی میں ماہر ہوں اس لیے میں نے
بساطِ شعر و سخن پر جگہ بنالی ہے

مرے کلام کی گہرائیوں میں مت اترو
مرے کلام کا ہر شعر مرِیغمالی ہے

میں آج سارے حسینوں میں ہو گیا مقبول
ہر ایک روز ہے ہولی تو شب دِوالی ہے

میں شاعروں کو گھماتا ہوں اس لیے اطراف
وہ لٹو ہیں مرے ہاتھوں میں ان کی جالی ہے

خدا کے واسطے ٹی وی پہ مجھ کو مت لاؤ
کہ شکل جھوٹی انا نے بگاڑ ڈالی ہے

میں چاپلوسی سے زردار بن گیا بیشک
جو اہلِ فن ہیں، یہاں ان کا پیٹ خالی ہے

اک آپ ہیں کہ سمجھتے نہیں مجھے کچھ بھی
کہ جیسے شہرت و عزت نہیں ہے گالی ہے

رحیم راہِ ادب کے بنے تو ہو پتھر!
خبر بھی ہے کہ یہ ٹھوکر لگانے والی ہے



تین شعر

جی حضوری کرتے کرتے کر رہا ہوں شاعری
ہو رہی ہے آج کل میری بھی شہرت ہر جگہ

شاعروں کی بھیڑ ہے بزمِ سخن میں آج کل
سننے والوں کی ہے لیکن آج قلت ہر جگہ

ہر کسی پہ نکتہ چینی پڑ گئی مہنگی بہت
اب اٹھانی پڑ رہی ہے مجھ کو زحمت ہر جگہ

فیملی پلاننگ نامہ

پالنا دشوار ہے دو چار کو
ایک درجن چاہیئے سرکار کو

سال بھر میں نو مہینے اک عذاب
آگ لگ جائے تمہارے پیار کو

میرے بچے اتنے بھوکے ہو گئے
پھاڑ کر کھانے لگے اخبار کو

بھوکے ننگے جاہل اور ان پڑھ نہوں
کچھ بنا لو اپنے اس سنسار کو

لڑکیاں ہو جائیں تو کچھ غم نہیں
بیچ دوں گا شیخ کو تجار کو

ہم ہوں دو اور ہوں ہمارے دو عدد
بس غنیمت جان لو دو چار کو

دو پہ دو بائیس ہوتے ہیں مگر
دو کے دو مطلوب ہیں سرکار کو

مسکرا کر آ رہا ہے وہ قریب
دور سے ہی سو سلام اس یار کو

پرورش کس طرح ہو پائے رحیم
گننا مشکل ہے جو اس انبار کو

سہرا نامہ

ہر طرف گو بجتی اب دوستو شہنائی ہے
ایسا لگتا ہے کہ بوڑھے کی قضا آئی ہے

سب ہی بارات میں شامل ہیں اعانت کے لیے
جن حکیموں سے سنا اُن کی شناسائی ہے

حُور کے پہلو میں لنگور خدا کی قدرت"
دیکھنے کے لیے ہر شخص تمنائی ہے

اب ضعیفی میں بھلا کون رہے گا ساتھی
فوج پوتوں کی نواسوں کی تماشائی ہے

کچھ بھی ہو آپ ولیمہ کا ڈنر رکھ دینا!
ورنہ یہ بات سلو باعثِ رسوائی ہے

فرق نوشہ میں دلہن میں ہے فقط اِتنا سا
ٹوٹتا جسم ادھر اور اُدھر انگڑائی ہے

پیٹ میں آنت نہیں منہ میں کوئی دانت نہیں
ہے مرض دل کا تنفس نے سزا پائی ہے
شیخ جی عقد کے قابل تو نہیں تھے لیکن
یہ پڑوسی کی سنا حوصلہ افزائی ہے

پھول مرجھائے ہوئے سہرے سے کہتے ہیں نسیم
بد نصیبی ہے جو ہم پہ یہ بہار آئی ہے

سال نامہ ۱

جنتا کو لوٹ کھاؤ نیا سال آگیا
پھر قیمتیں بڑھاؤ نیا سال آگیا

بس پاکٹیں اُڑاؤ نیا سال آگیا
سب کو گلے لگاؤ نیا سال آگیا

سہلاؤ اپنے شعر سے زخمی دلوں کے پاؤ
جدّت کوئی دکھاؤ نیا سال آگیا

آبادی بڑھ رہی ہے تو کس بات کا ہے غم
گُل پھر نیا کھِلاؤ نیا سال آگیا

پچھلا برس تو روتے ہوئے بیت ہی چکا
اب تو ہنسو ہنساؤ نیا سال آگیا

چوری ڈکیتی چندے روایت ہیں آگئے
چکر نیا چلاؤ نیا سال آگیا

اک سال عمر گھٹنے لگی یہ بھی جان لو
ایسے نہ کھِلکھلاؤ نیا سال آگیا

نفرت کو بھول جاؤ گئے سال کی طرح
اُلفت کے گیت گاؤ نیا سال آگیا

کب تک پُرانی غزلیں سناؤ گے اے رحیم
تازہ غزل سُناؤ نیا سال آگیا

کرکٹ نامہ ۔ ۱

گھر میں ہے کرکٹ کا چکر ان دنوں
اس لیے ہوں گھر سے باہر ان دنوں

ان کو اسپن کا ہوا ہے شوق اب
بات کرتے ہیں گھما کر ان دنوں

جل رہا ہوں اس لیے اظہر سے میں
فین ہے اظہر کی دلبر ان دنوں

آنکھیں ٹی وی سے نہیں ہٹتیں مری
بھوت ہے کہ کرکٹ کا سر پر ان دنوں

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں دیکھئے
کیا رعایا کیا منسٹر ان دنوں

فاسٹ بولنگ ہے مرے محبوب کی
کھیلتا ہوں "بیک فٹ" پر ان دنوں

وہ سمجھتی ہیں کھلاڑی بارھواں
مانگتی ہیں مجھ سے واٹر ان دنوں

ہر گلی میدان کرکٹ کا بنی
کھیلتا ہوں میں بھی چھت پر ان دنوں

عشق بھی "وننڈے" نہ ہو جائے رحیم
پاپولر "وننڈے" ہے مسٹر ان دنوں

خوش آمدید سنہ ۱۹۹۲ء

ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا
تھوڑا ہنسائے گا ہمیں تھوڑا رلائے گا

گنجوں کے سر پہ اب کے برس تو اگیں گے بال
CHINA کے ڈاکٹر نے سنا ہے کیا کمال
ہوگا نہ بال جھڑنے کا ہم کو کوئی ملال
رکھنا ہے جھریوں کے مٹانے کا ہی خیال

ہم کو ضعیف ہونے سے شاید بچائے گا
ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا

لیڈر فساد اب کے برس بھی کرائیں گے
مذہب کے نام پر نئے فتنے جگائیں گے
جنتا کو اپنی، داؤ پہ پھر سے لگائیں گے
ووٹوں کو یرغمال یہ بے شک بنائیں گے

یہ خواب ہے کہ ظلم و تشدد مٹائے گا
ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا

انسان کی جان اب ہے مسلسل عذاب میں
اجناس ہی میں کیا، ہے ملاوٹ شراب میں
اک روٹی کھا رہے تھے مگر وہ بھی خواب میں
تاجر کی زندگی تو رہی آب و تاب میں

دیکھیں گے کتنی اور گرانی بڑھائے گا
ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا

ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا
تھوڑا ہنسائے گا ہمیں تھوڑا رلائے گا

اپنی غزل کو ساز پہ شاعر سنائیں گے
سُر تال میں رہیں نہ رہیں گنگنائیں گے
محفل میں سامعین کو مجرا دکھائیں گے
قوال ان کو دیکھ کے صورت چھپائیں گے

اک انقلاب شعر کی محفل میں لائے گا
ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا

کرکٹ کی طرح ڈنڈے سے جو ہو جائے عاشقی
عشاق تیز تیز بنائیں گے سنچری
کوشش رقیب پوری کرے گا جو پیچ کی
زیرو پہ آؤٹ ہوں تو اڑے گی بہت ہنسی

چکر میں بال بیٹ کی ہم کو گھمائے گا
ہر سال کی طرح سے نیا سال آئے گا



کرکٹ نامہ ۔ ۲

گھر بنا ہے مرا میدان خدا خیر کرے
بچے کرکٹ میں ہیں غلطاں خدا خیر کرے

اب تو بزنس ہے نہ آفس ہے نہ کالج یارو
سب ہیں کرکٹ میں پریشان خدا خیر کرے

فاسٹ بولنگ سے پھر کی مرا سر پھوڑا
بھانجہ میرا ہے عمران خدا خیر کرے

گھر میں رہتا ہوں لگائے ہوئے ہیڈ اور ہلمٹ
ان کی بالنگ کا ہے امکان خدا خیر کرے

سنتے سنتے یہ ہوا حال مرا کامنٹری
بجتے رہتے ہیں مرے کان خدا خیر کرے

دوردرشن سے دکھاتے ہیں جو کرکٹ ہم کو
گھر میں آنے لگے مہمان خدا خیر کرے

سارا کھا جائیں گے منہ مار کے پھلوں کا مرے
ساتھ لے آئے ہیں اجوان خدا خیر کرے

جب سے کرکٹ کی وبا پھیل گئی ہے یارو
بن گئے ہیں سبھی عمران خدا خیر کرے

ٹیم کرکٹ کی نہ بن جائے سنو جی بیگم
بڑھ رہی ہے یہ جو سنسان خُدا خیر کرے

گلی ڈنڈے کی طرح آج ہے کرکٹ کا چلن
ہے یہ انگریز کا احسان خُدا خیر کرے

غیر کی ٹیم کو دیتا نہیں یل بی ڈبلیو
اپنا ایمپائر ہے نادان خُدا خیر کرے

ان کو سمجھانا پڑے گا کہ یہ کرکٹ کیا ہے!
دیکھنے بیٹھی ہیں بی جان خُدا خیر کرے

سنسنی خیز ہوا جاتا ہے اب کھیل رحیم
جان میں میری نہیں جان خُدا خیر کرے

